باقیات

ترجمان القرآن

یعنی

تیسری جلد کی مختلف آیات و سُور کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح

جو

تمام تر مولانا ابُوالکلام مرحُوم و مغفور

کی

تحریرات و تصریحات پر مشتمل ہے

مُرتّبہ

غُلام رسُول مہر

اشاعت الکتاب ۔ دہلی

باقیات

ترجمان القرآن

یعنی

"ترجمان القرآن" کی تیسری جلد کی مختلف سورتوں
اور آیتوں کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح جو تمام تر
مولانا ابوالکلام مرحوم و مغفور کی تحریرات و
تصریحات پر مشتمل ہے۔

مرتبہ

غلام رسول مہر

جملہ حقوق محفوظ

A
297.12
QUR
L6873

ناشر ——— اشاعت الکتاب دہلی

مطبع ——— بجنور آفسٹ پریس دہلی

اشاعت اوّل ——— ۱۹۶۲ء

قیمت ۸/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تا مگر ہمچو صبا باز بہ زلفِ تو رسم   حاصلم دوش بجز نالۂ شبگیر نبود

مولانا ابوالکلام اس دنیا سے رخصت ہوئے تو فضائل و نفائس علوم کے صرف وہی ذخیرے ساتھ نہ گئے، جو ان کے دل و دماغ میں جمع تھے، بلکہ وہ ذخیرے بھی ناپید ہو گئے، جن کے متعلق یقین تھا کہ وہ دماغ سے نکل کر ترتیب و تسوید کی منزل میں پہنچ چکے ہیں، لہٰذا انھیں محفوظ سمجھنا بے جا نہ تھا اور ان کی فہرست خاصی طویل تھی، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ مولانا نے خود ایک جگہ لکھا ہے:

"سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں اور پنبہ و آتش میں آشتی محال ہے۔ میں نے چاہا، دونوں کو بہ یک وقت جمع کروں۔ میں نامراد ایک طرف متاعِ فکر کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برقِ خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا اور مجھے حق نہیں کہ حرفِ شکایت زبان پر لاؤں۔ عرفی نے میری زبانی کہہ دیا ہے:

زاں شکستم کہ بہ دنبالِ دلِ خویش مدام
در نشیبِ شکنِ زلفِ پریشاں رفتم

بلاشبہ ان کی مجاہدانہ زندگی کا کوئی بھی لمحہ سیاسی شورشوں سے خالی نہ رہا۔ تاہم اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے پیمانۂ فکر و نظر کے مطابق جو جو کچھ مرتب کر دینا چاہتے تھے، اس کے لیے بہ قدرِ ضرورت جمعیت خاطر میسر نہ آ سکتی اور ایسی صورت پیش آ جانا ہرگز تعجب انگیز نہ ہوتا، لیکن جو کچھ مرتب ہو چکا تھا اور کسی نہ کسی شکل میں اسے محفوظ ہونا چاہیے تھا، افسوس کہ اب اس کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ان میں اہم ترین حیثیت "ترجمان القرآن" جلد سوم، "تفسیر البیان" اور سب سے آخر میں "مقدمہ تفسیر" کو حاصل ہے، جسے انھوں نے "تذکرہ" میں موسوم بہ "البصائر" لکھا تھا[1]۔

تلاشیوں کی تباہ کاری

مولانا نے "ترجمان" جلد اول کے آغاز اور "الہلال" دورِ دوم (یا مولانا کے ارشاد کے مطابق "البلاغ" کو شامل کرتے ہوئے دورِ سوم) کے دوسرے نمبر میں ان تصانیف

---

[1] "تذکرہ" پہلا ایڈیشن (ص ۳۷۱)

۱ - ایک مستقل رسالہ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ از روئے قرآن امم و ملل کے مراتب ہدایت و شقاوت کیا ہیں اور یہ رسالہ ۱۹۱۲ء میں بہ غرض طباعت مطبع "الہلال" کے حوالے ہو چکا تھا[۱]

۲ - سورۂ واقعہ کی تفسیر[۲]

۳ - تاریخ معتزلہ[۳] یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کے بعض اجزاء "البلاغ" کے چوتھے پانچویں اور چھٹے ساتویں نمبر میں زیر عنوان "تاریخ و عبر" چھپے تھے۔

۴ - سیرت شاہ ولی اللہ[۴]

۵ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ[۵]

۶ - خصائص مسلم[۶]

۷ - امثال القرآن[۷]

۸ - شرف جہاں قزوینی کے دیوان پر تبصرہ[۸]

۹ - سیرت حضرت مجدد (شیخ احمد سرہندی)۔ اس کی تسوید ۶ یا ۷۔ اگست ۱۹۱۶ء (بہ زمانہ قیام رانچی) کو شروع ہوئی تھی اور ۱۲۔ اگست کو یعنی پورے ایک ہفتے میں مکمل ہو گئی۔ متوسط تقطیع کے ایک سو بہتر صفحے تھے[۹]

۱۰ - اتحاف الخلف[۱۰]

۱۱ - الکلم الطیب[۱۱]

۱۲ - القول الثابت[۱۲]

۱۳ - سیرت طیبہ ماخوذ از قرآن مجید[۱۳]

۱۴ - سیرت امام احمد بن حنبل، جس کے ساتھ ان کے نامۂ وصیت کی شرح بھی تھی[۱۴]

۱۵ - سیرت امام ابن تیمیہ۔

۱۶ - شرح حدیث غربت (بدأ الاسلام غریباً و سیعود غریباً کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء) اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بھی منجملہ جوامع الکلم نبویہ کے ہے۔ جس طرح اس میں اوائل کا حال پورا کہہ دیا ہے، اسی طرح اواخر کی بھی کوئی بات نہیں چھوڑی۔ ان سطور کے لکھتے وقت خیالات میں بے اختیار جنبش ہوئی اور ایک مفصل شرح اس کی مرتب ہو گئی۔ حافظ ابن رجب نے چند صفحوں میں ایک شرح لکھی ہے، لیکن اس میں صرف ایک ہی پہلو پر

---

[۱] الہلال ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء (ص ۶ حاشیہ) [۲] الہلال ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء (ص ۷ حاشیہ) [۳] "الہلال" ۴ جون ۱۹۲۷ء (ص ۴) [۴] "الہلال" ۲۴ جون ۱۹۲۷ء (ص ۴) [۵] ایضاً [۶] ایضاً [۷] ایضاً [۸] ایضاً [۹] "تذکرہ" (ص ۲۴۱) [۱۰] ایضاً (ص ۲۲۰) [۱۱] ایضاً [۱۲] ایضاً [۱۳] ایضاً (ص ۱۸۲، ص ۱۸۷، ۱۸۸) [۱۴] ایضاً (ص ۱۹۵ - ۱۹۶)

کے ضائع ہونے کی دردناک داستان خاصی تفصیل سے بیان فرمادی تھی اور مجھے اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً :

۱ ۔ ۱۹۱۶ء میں وہ "ترجمان" اور "تفسیر البیان" کی اشاعت کا مستقل انتظام کر چکے تھے، لیکن ۲۳ ، مارچ کو انھیں بنگال سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا گیا۔ وہ رانچی پہنچے اور وہاں نظربند کر دیے گئے۔ یہ نظربندی تقریباً تین سال چند مہینے کے بعد ۲۷، دسمبر ۱۹۱۹ء کو ختم ہوئی۔

۲ ۔ اس اثناء میں پہلے ان کے مکان کی تلاشی لی گئی اور کارپردازانِ تفتیش تمام کاغذات اٹھا کر لے گئے۔ جب ان میں کوئی چیز قابلِ اعتراض نہ ملی تو دو ہفتے کے بعد تمام کاغذات واپس دے گئے۔

۳ ۔ حکومتِ ہند کے ایماء پر از سرِنو تلاشی لی گئی اور تمام کاغذات حکومت کے خاص کارکنوں کی دیکھ بھال کے لیے مرکز میں بھیج دیے گئے[1] ان میں ترجمہ و تفسیر کا مسودہ بھی تھا اور دوسری مکمل و نامکمل تصانیف بھی تھیں۔ اس وقت ترجمہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا۔ یہ کاغذات مولانا کو ۱۹۲۰ء میں واپس ملے۔

۴ ۔ انھوں نے رانچی پہنچ کر ترجمہ و تفسیر کا کام جاری رکھا۔ بلکہ جن حصّوں پر حکومت قبضہ کر چکی تھی، انھیں بھی دوبارہ مرتب کر لیا۔ نظربندی سے رہائی کے بعد ان تصانیف کی طباعت و اشاعت ہو سکتی تھی، لیکن مولانا "لاتعاون" کی تحریک میں شامل ہو گئے اور ۱۰، دسمبر ۱۹۲۱ء کو انھیں پھر گرفتاری کی منزل پیش آگئی۔ ساتھ ہی تلاشی ہوئی اور تمام قلمی مسودات از سرِنو حکومت کے پاس پہنچ گئے۔ رہائی کے بعد یہ واپس ملے تو "محض اوراقِ پریشان کا ایک ڈھیر تھے اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے۔ یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے"۔ پولیس کمشنر کے دفتر کے ایک گوشے میں اتفاقیہ آگ لگ گئی اور دفتر کے سامان کے ساتھ مولانا کے مسودات کے بعض اوراق بھی جل گئے[2]

تصانیف اس تباہی نے دل پر ایسی افسردگی طاری کر دی کہ مدت دراز تک کچھ نہ لکھ سکے۔ ۱۹۲۷ء میں از سرِنو کام شروع کیا اور وہ خود فرماتے ہیں کہ شورشِ تازہ کی سرمستیاں مجلس دوشیں کی کیفیتوں سے بھی کہیں تُند تر ہو گئیں" اور وہ ۲۰، جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ و ترتیب سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان میں سے صرف دو جلدیں شائع ہوئیں اور تیسری کا کوئی نشان نہیں ملتا حالانکہ ۱۹۳۰ء کے بعد تلاشی کا کوئی واقعۂ الیمہ پیش نہ آیا۔

"ترجمان القرآن" "تفسیر البیان" اور "مقدمہ" کے علاوہ مولانا کی جن تصانیف کا ذکر خود ان کی تحریرات میں آچکا ہے ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے :

---

[1] "الہلال" ۲۴، جون ۱۹۲۷ء میں ہے کہ تلاشی رانچی میں دو مرتبہ اور کلکتہ میں تین مرتبہ ہوئی (ص ۲) نیز ۱۰، دسمبر ۱۹۲۱ء کی گرفتاری کے بعد پے در پے تلاشیاں لی گئیں" (ص ۴)۔ [2] "الہلال" ۲۴، جون ۱۹۲۷ء (ص ۳)

اور محل سے آگے پیچھے نہ ہو جائے۔ مولانا قرآن مجید جیسی اہم کتاب کا ترجمہ اور تفسیر مرتب فرما رہے تھے۔ ہر گز نہیں مانا جا سکتا کہ انھوں نے اس کا پورا خاکہ بہ لحاظ مباحث تیار نہ کر لیا ہو اور ایسے خاکے کی شہادتیں موجود ہیں جو میں آگے چل کر پیش کروں گا۔

۲ - مولانا نے نومبر ۱۹۳۰ء میں لکھا تھا کہ قرآن مجید کامل ستائیس برس سے میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ عالم خیال میں ہوتا رہا؟ ہرگز نہیں۔ ان کے پیش نظر متعدد تحریرات، یادداشتیں اور قرآن مجید میں لگوائے ہوئے سادہ اوراق پر متفرق نوٹ موجود ہوں گے تاکہ جس مقام پر کوئی ضروری تشریحی حاشیہ لکھنا ہو یا کسی مسئلے پر بحث کرنی ہو، وہ نظر انداز نہ ہونے پائے، لیکن آج ایسی کسی بھی چیز کا کوئی نشان نہیں بتایا جاتا۔ کچھ معلوم نہیں کہ اس پُر اسرار واقعے کی حقیقی کیفیت کیا ہے۔

مباحث کے حوالے

میں نے ایک مرتبہ صرف "ترجمان" کی دوسری جلد اس نظر سے دیکھی کہ آیا اس میں ایسے مباحث کے حوالے بھی موجود ہیں جو تیسری جلد میں لکھے جانے والے تھے؟ مجھے ایک ہی نظر میں متعدد حوالے مل گئے۔ واضح رہے کہ یہ تمام حوالے صرف دوسری جلد کے ہیں۔ مثلاً

۱ - سورۂ الحجر کے ایک تشریحی نوٹ میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر نوعِ انسانی کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام مقامات پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنا ضروری ہے۔ چونکہ آگے چل کر سورۂ (ص) میں یہ بیان پھر آنے والا ہے، اس لیے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ باقی تمام تشریحات سورۂ (ص) کے نوٹ میں ملیں گی (۳۰۴)

۲ - سورۂ الحجر کی آیت ۲۷ میں "جان" کی پیدائش کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ جان اور جن کے لیے سورۂ جن کا نوٹ دیکھنا چاہیے (۳۰۴)

۳ - سورہ کہف کے حواشی میں واقعۂ کہف پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ رہبانیت کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مسیحی رہبانیت اضطراری حالات کا نتیجہ تھی۔ آگے چل کر اس نے ایک اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کر لی۔ اس کی مزید تشریح سورہ حدید کے حواشی میں ملے گی (۳۹۷)

۴ - سورۂ انبیا کی تشریحات کے اواخر میں لکھتے ہیں کہ باقی رہا حضرت ابراہیمؑ کا "انی سقیم" والا قول تو اس کی شرح صافات میں ملے گی (۵۰۱)

۵ - سورۂ یونس کے تشریحی حواشی میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ پہلی نشاۃ سے دوسری نشاۃ پر استدلال کی

نظر ڈالی ہے۔

اپنی شرح کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ایک سو صفحے سے زائد میں ختم ہوئی ہے۔ شرح حال غربت ثانیہ و تفصیل اسباب غربت و بحث و تحقیقِ احادیث فتن کے باب میں انشاء اللہ جامع و نافع ہوگی۔ اگر اشاعت سے پہلے نظر ثانی کا موقع ملا تو بعض مطالب بڑھا دیے جائیں گے، جو بہ سبب عدم موجودگی کتب بالفعل سرانجام نہ پا سکے[1]

مطبوعہ تصانیف کا ذکر میں نے دانستہ نہیں کیا۔ اس وقت صرف ان تصانیف کا ذکر تھا جن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ان میں "تذکرہ" کی دوسری جلد بھی شامل ہے، جس کا مسودہ مولانا کی نظر بندی کے دوران میں فضل الدین احمد مرزا اپنے وطن گورداس پور لے آئے تھے، پھر انتہائی کوشش کے باوجود وہ نہ مل سکا۔

ترجمان القرآن

اب میں "ترجمان القرآن" "تفسیر البیان" اور "مقدمہ" پر پہنچ گیا ہوں۔ مولانا نے "ترجمان" کے دیباچے میں لکھا تھا کہ قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں اور میں نے انھیں تین کتابوں میں منقسم کر دیا ہے: "مقدمۂ تفسیر" "تفسیر البیان" اور "ترجمان القرآن"

٭ مقدمۂ تفسیر قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جوامع و کلیات مدوّن ہو جائیں۔ "تفسیر البیان" نظر و مطالعہ کے لیے ہے اور "ترجمان القرآن" قرآن کی عالم گیر تعلیم و اشاعت کے لیے۔

"ترجمان" سب سے پہلے شائع ہوئی، کیونکہ مقصد و نوعیت میں بھی سب سے زیادہ ضروری اور اہم تھی اور تفسیر و مقدمہ کے لیے بھی اصل بنیاد یہی تھی۔ اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تو مولانا کو احساس ہوا کہ بحث و نظر کا دائرہ ذرا بڑھا دینا چاہیے۔ چنانچہ دوسری جلد میں ایسے مباحث خاصی بڑی تعداد میں شامل ہو گئے جو ایجاز و جامعیت میں بھی اپنی نظیر آپ تھے، اور بعض بہت مفصّل تھے، مثلاً ذوالقرنین کی بحث بہ سلسلہ سورۂ کہف۔ تیسری جلد مولانا کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ اس کے وجوہ ذہن میں آ سکتے تھے، مثلاً یہ کہ ملکی مسائل نے مولانا کا بیشتر وقت گھیر لیا تھا اور انھیں مسودے پر نظر ثانی کی مہلت نہ مل سکی اور عادت شریف یہ تھی کہ جو چیز مکمل کر کے اٹھتے تھے، اس میں بھی ترمیمات کا احساس باقی رہتا تھا۔ وفات کے بعد معلوم ہوا کہ مسودہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ یہ واقعہ اس درجہ حیرت انگیز ہے کہ آج بھی اسے قرین یقین ماننے میں سو مرتبہ تامّل ہوتا ہے۔

تیسری جلد

اس کے وجوہ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) مصنفین جو کچھ بھی لکھنا چاہتے ہیں، عموماً اس کا خاکہ پہلے سے ذہن میں تیار کر لیتے ہیں۔ پھر اس خاکے کو کاغذ پر منتقل کر کے دورانِ تحریر میں سامنے رکھتے ہیں کہ کوئی ضروری بحث یا نکتہ موقع

---

[1] "تذکرہ" (ص ۲۵۲)، حافظ ابن رجب کی شرح کا نام کشف الکربة ہے۔

۳ - احتکار و اکتناز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے، جس درجہ اہم ہے، اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ "البیان" میں بہ ضمن تفسیر بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی (۱۳۲)

۴ - رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سابقون الاولون نے اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ پیش آیا، اسے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبتِ ایمانی سے اس میں خوشحال و خوشنود رہے۔ یہی مقام ہے، جو ان کے درجے کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے۔ تعجب ہے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی!" البیان" میں مزید تفصیل ملے گی (۱۴۵)

۵ - سورۂ ہود کی تشریحات میں اس اعتراض کا ذکر کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کے متعلق آثارِ مصر میں اب تک کوئی چیز نہیں ملی۔ اس بنا پر بیسویں صدی کے علماء تاریخ کا عام رجحان اس طرف ہے کہ ان دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں۔ مولانا کہتے ہیں: کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لیے کافی ہے کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے؟ اور کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لیے کوئی روشنی نہیں؟ یہ سوالات ضرور حل کرنے چاہئیں، لیکن ان کا محل "البیان" ہے "ترجمان القرآن" نہیں (۲۱۸)

۶ - سورۃ الحجر کی تشریحات میں یہ ذکر آگیا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے یا نہیں۔ فرماتے ہیں: اس پر مفصل بحث "البیان" میں ملے گی (۳۰۷)

مقدمہ سب سے آخر میں "مقدمہ" آتا ہے، جس کے متعلق مجھے بہت کچھ لکھنا ہے کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اب تک اس کے مباحث کی اہمیت کا پورا احساس نہیں کیا گیا۔ صرف یہ سمجھ لیا گیا کہ جس طرح بعض دوسرے اصحاب نے تفسیر کے مقدمے مرتب کیے، اسی انداز کی یہ کتاب ہوگی، حالانکہ اس میں مولانا مطالبِ قرآنی کے جوامع و کلیات مدون کرنا چاہتے تھے۔ اس کی مختلف تصریحات پر ایک نظر ڈال لیجیے:

"تذکرہ" میں ایک مقام پر یہ مبحث پیش نظر ہے کہ فلسفہ و عقل پرستی کی راہ یقین و طمانیت تک نہیں پہنچا سکتی یہ دعوٰے صرف قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ علم و بصیرت اور یقین و نور حقیقت صرف ہمارے پاس ہے۔ اسی سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> "یہ مقام منجملہ روح الروح معارف کتاب و سنت و حقیقت الحقائق قرآن و شریعت کے ہے، مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ تفسیر "البیان" میں ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی تشریح و توضیح ملے گی اور اس سے زیادہ مقدمہ تفسیر موسوم بہ "البصائر" میں بہ عنوان حقیقت ایمان و کفر۔ با ایں ہمہ اب تک طبیعت اس طرف سے سیر نہیں ہوتی۔ روز بہ روز یہ مقام اپنی مزید وضاحت اور وسیع تر

زیادہ تفصیل سورۂ حج کی آیت ۵ اور سورۂ قیامہ کی آخری آیات میں ملے گی (۱۴۸)

۶ - میں نے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ کے بعض مطالب کے متعلق عرض کیا تھا، ان سے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظام عبادات ہنگامی ہے۔ مولانا نے ان شبہات کا مفصل جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی، اسی طرح شرح و منہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل تفسیر سورہ فاتحہ یا سورہ بقرہ نہیں بلکہ سورۂ احزاب ہے۔

۷ - مولانا سورۂ مومنون کی تشریحات میں فرماتے ہیں کہ اس سورت کی آیت ۶ سے معلوم ہوا، قرآن کے نزدیک اتحاد تناسلی کا جائز طریقہ صرف ایک ہے اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے۔ اس کے سوا جو طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز ہوگا۔

تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور لونڈی غلاموں کے معاملے کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے، یعنی کسی چیز پر قابض ہو جانے کے۔ چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر ناگزیر تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم دیا اور کس طرح اسے مٹانا چاہا تو اس کا جواب سورۂ محمدؐ کی تشریحات میں ملے گا۔ (ترجمان جلد دوم ص ۵۲۶)

ان حقائق کے پیش نظر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا تمام مباحث و مسائل قرآنی کے مقامات متعین کر چکے تھے اور وہ تمام چیزیں جا بجا لکھی جا چکی تھیں۔ ورنہ وہ اس بے تکلفی سے مختلف مباحث کے حوالے سورتوں کے تعین کے ساتھ کیوں کر دے سکتے تھے۔ تاہم یہ تمام قیاسات ہماری ذہنی کاوش کے کرشمے ہیں، جن میں ممکن ہے، آرزو کا بھی خاصا حصہ ہو۔ ان سے یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ "ترجمان" کی تیسری جلد موجود نہیں۔ وہ کیا ہوئی؟ کہاں گئی؟ کون لے گیا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کا نہ ہونا تاحال قطعی و یقینی ہے۔

البیان

بالکل یہی کیفیت تفسیر "البیان" کی ہے۔ اس کے متعلق بھی "ترجمان" جلد دوم میں جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱ - سورۂ توبہ کی تشریحات میں ایمان، کفر، اور نفاق کی اجمالی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں، جن کی تحقیق ضروری ہے، لیکن مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں، "البیان" کا انتظار کرنا چاہیے (۱۴۳)

۲ - اسی صورت کی تشریحات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اہل کتاب اخلاص کھو چکے تھے۔ جب کبھی دیکھتے کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے تو کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے۔ سود کے لین دین سے بھی انھیں روکا گیا تھا۔ علمائے یہود نے جو حیلے نکالے، ان کی تشریح "البیان" میں ملے گی (۱۲۷)

وکیم اور تفسیر فاتحۃ الکتاب کو دیکھنا چاہیئے وافردتہ فی مجلد مستقلاً وسمیتہ بہ تحصیل السعادتین [1]

گویا تحریف الشریعت کی حقیقت پر بحث مقدمۂ تفسیر کے اکیسویں باب اور تفسیر سورۂ فاتحہ میں کی پھر اسے ایک مستقل جلد بنام "تحصیل السعادتین" میں مرتب کردیا۔

ان اقتباسات سے روز روشن کی طرح آشکار ہے کہ "مقدمہ" کی ترتیب مولانا بہت پہلے شروع کرچکے تھے اور معلوم ہے کہ "تذکرہ" ۱۹۱۶ء میں لکھا گیا تھا [2]

اس وقت تک "مقدمہ" کے اکیس باب یقیناً مدوّن ہوچکے تھے یا کم از کم ان میں سے ہر باب میں مختلف مباحث لکھے جاچکے تھے بلاشبہ بعد میں ردوبدل اور حذف و اضافہ کا امکان تسلیم کیا جاسکتا ہے اور مولانا تو اپنی تحریرات میں اس وقت تک ردوبدل کرتے ہی رہتے تھے، جب تک وہ چھپ کر منظر عام پر نہیں آجاتی تھیں، لیکن یہ کیوں کر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ "مقدمہ" سرے سے بے وجود تھا اور اس کے مطالب والواب بھی محض عالم خیال میں مرتب ہوتے رہے تھے؟

"ترجمان القرآن" جلد دوم کے حواشی کی آخری ترتیب اپریل ۱۹۳۶ء میں مکمل ہوچکی تھی۔ اس میں بھی جابجا "مقدمہ" کا ذکر آیا ہے۔ جو مقامات سرسری نظر میں میرے سامنے آئے، ان کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے۔

عدم احاطہ علم اور تکذیب حقائق

سورہ یونس کے حواشی میں ایک مقام پر "عدم احاطہ علم" اور "تکذیب حقائق" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے بہ یک وقت دونوں باتوں کی مذمت کی ہے، اس کی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلادی جائے۔ انسان کی ساری فکری گمراہیوں کا اصل سرچشمہ یہی ہے۔ وہ یا تو عقل و بینش سے اس قدر کورا ہوجاتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ہے۔ یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اس کی شخصی سمجھ سے بالاتر ہوئی، اس نے فوراً جھٹلادی اور ٹھکرادی۔ عقل سلیم جہاں ہمیں وہم پرستی اور جہل سے روکتی ہے، وہاں شک و الحاد سے بھی باز رکھتی ہے۔ صورتیں دو ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں: ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو، دوسری یہ کہ وہ بات ایک خاص عقل سے بالاتر ہو۔ اول تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں، دوم عقل انسانی برابر نشوو ارتقا کی حالت میں ہے۔ ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کرسکتی تھی، دوسرے عہد میں وہی باتیں عقلی مسلّمات بن گئیں۔

اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

جہاں تک عقل اور ماوراے عقل کی نزاع کا تعلق ہے، قرآن مجید کے بعد تین دو یہ بحث گزر چکے ہیں،

---

[1] تذکرہ (ص ۲۹۳)۔ [2] ایضاً (ص ۲۲۱)

اطراف و مباحث کے ساتھ نمایاں ہو رہا ہے۔ شاید دامن بیان اس سے بھی کہیں زیادہ پھیلے، جس قدر "البیان" میں سمیٹا جا چکا ہے"[1]

علوم سماویہ کے خلاف انسانی شکوک

"تذکرہ" میں ایک مقام پر یہ نکتہ واضح فرمایا کہ متکلمین خود شکوک و شبہ کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہاں جو کچھ لکھا گیا، متفرق اشارات تھے۔ اس مطلب کو متعدد مقامات میں مفصّل لکھا جا چکا ہے سب سے زیادہ مقدمۂ تفسیر میں اس کے ایک باب کا موضوع یہ ہے کہ علوم سماویہ کے خلاف ملل و نحل کے تمام شکوک و شبہات کے لیے ایسے اصول و مقالید معلوم کیے جائیں، جن سے تمام جزئیات کا استقصاء ہو جائے اور کوئی قسم شبہ و اعتراض کی اس سے باہر نہ ہو۔ پھر ان شبہات و اعتراضات کو جمع کیا ہے، جن کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے۔ نیز ان کے جوابات مندرجہ قرآن۔ پھر دکھلایا ہے کہ جس وقت سے انسانی علوم اور علوم سماویہ کی آویزش کا حال معلوم ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک کوئی شبہ اور اعتراض ایسا نہیں کیا گیا، جس کا اصولاً جواب قرآن میں نہ دے دیا گیا ہو۔ اور اس کے لیے رائے و کلام کی ضرورت ہو۔ مقدمہ کے علاوہ رسالہ اتحاف الخلف، الکلم الطیب، والقول الثابت اور سیرت حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہا میں بھی یہ مبحث مفصل ملے گا اور چونکہ تحریر تفسیر کا سلسلہ جاری ہے، اس لیے اثنائے تفسیر آیات میں روز بروز یہ حقیقت ایک جمال تازہ و رعنائی بوقلموں کے ساتھ نظر افروز ہوتی ہے اور ہر جلوۂ امروزہ نمود و نظارہ دی ہو بارجہ کو فراموش کرا دیتا ہے، بجدیکہ تمام پچھلی تسویدات و ترتیبات کی رونق اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔

لیکن کیا کیا جائے کہ اس معاملے میں میرے شکیب طلب اور قناعت تالیف کے لیے بڑی ہی سخت آزمائش ہے۔ معلوم نہیں، جمال حقیقت کی ان بوقلمونیوں اور رنگا رنگ جلوہ طرازیوں سے میری ہمت درماندہ اور نگہ واماندۂ نظارہ کیونکر عہدہ برآ ہو سکے گی"[2]

تحریف شریعت کی حقیقت

"تذکرہ" میں ایک مقام پر یہ معاملہ زیر غور آ گیا کہ تمام علوم و فنون جدل و خلاف "انتحال المبطلین" "تاویل الجاہلین" اور "تحریف الغالین" کے برگ و بار ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ:

"شرح حقیقت تحریف شریعت، علی الخصوص فتنتین عظمتین یونانیہ و عجمیہ کے لیے مقدمہ تفسیر باب بست

---

[1] "تذکرہ" (ص ۱۸۳) [2] ایضاً (ص ۲۱۹ - ۲۲۰)

عمل نہیں بلکہ کفارہ مسیحؑ پر ایمان ہے۔ قرآن نے واقعۂ صلیب کا رد کیا۔ الوہیت اور ابنیت کا رد کیا بلکہ کرا ایسا کہنا کفر صریح ہے۔ کفارے کا رد کیا، لیکن بغیر باپ کے پیدائش کی کوئی صریح تردید موجود نہیں۔

"بلاشبہ قرآن میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیحؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح موجود نہیں، جو اپنے منطوق میں ظاہر و قطعی ہو۔ جتنی آیتوں میں اس طرح کے اشارات نکل رہے ہیں، اگر انھیں ایک دوسری سے الگ کر لیا جائے تو ہر آیت کے مطلب کے لیے ایک دوسرا جامہ تراش لیا جا سکتا ہے۔ . . . لیکن جب تمام بیانات پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی مقتضیات و قرائن بھی پیش نظر ہوں تو بلا تامل تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ہے، اس کا منکر نہیں۔"[۱]

پھر اس بارے میں بعض تفصیلات پیش کی ہیں۔ آخر میں کہتے ہیں:

"ہمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاہیے کہ اسے عجائب پرستیوں کی داستان بنانے کے خواہش مند ہوں، نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے اس درجہ مضطرب ہونا چاہیے کہ بے محل سے بے محل توجیہ قبول کر لیں۔ قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ و تراکیب کے بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات۔ ہمیں چاہیے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور جو مطلب صاف صاف نکل رہا ہو، اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں۔ اگر ہم نے بہ تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی، جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنالی ہو، مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں۔ یہاں علم و حقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے، وہ ہر بناوٹ کو اصلیت سے جدا کر دے گی۔ باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات عقلاً کیونکر تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی مبحث ہے اور اس کا محل "ترجمان القرآن" نہیں "مقدمہ تفسیر" ہے۔"[۲]

عربی زبان کی قدامت

سورۃ الانبیاء کے حواشی میں "صحیفۂ ایوب" پر بحث کرتے ہوئے عربی زبان کی قدامت پر اشارے کیے ہیں۔ مثلاً تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے۔ حضرت ایوبؑ عرب تھے اور انھیں حضرت ابراہیمؑ یا کم از کم حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا معاصر ہونا چاہیے۔ صحیفۂ ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں، نثر نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ کا جو عہد بالعموم سمجھ لیا گیا ہے، یہ تاریخ اس سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔ اگر

---

[۱] ترجمان جلد ۲، ص ۴۴۴، [۲] "ترجمان" جلد ۲، ص ۴۵۴

ایک دور حکما و متکلمین اسلام کا جنھوں نے عقلی طریقے پر مذہبی عقائد کا اثبات کرنا چاہا۔ دوسرا دور یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا، جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا۔ تیسرا دور علوم عصریہ کا، جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ قرآن نے سیدھے سادے لفظوں میں جو بات کہہ دی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ بلاشبہ بحث و نظر کی کاوشیں دور دور تک گئیں لیکن ہمیشہ ناکام ہوئیں اور ہمیشہ اصحاب عرفان و تحقیق کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے اور تفصیل اس کی "مقدمہ" میں ملے گی۔[۱]

قصص قرآن سورۂ ہود کے حواشی میں جہاں "قصص قرآن" پر تبصرہ فرمایا ہے، وہاں لکھتے ہیں: تشریح کا یہ محل نہیں اور مقصود اشارات ہیں۔ مثلاً قصص ہی بتلاتے استدلال، معاملات کی وحدت اور ان کا عالمگیر تسلسل ہے۔ پھر وحدت کے سات پہلو الگ الگ واضح کیے ہیں، یعنی (۱) وحدت انبعاث، (۲) وحدت دعوت (۳) وحدت تذکیر و موعظت (۴) وحدت شؤن و وقائع (۵) وحدت تصدیق و انکار (۶) وحدت ہدایت و ضلالت (۷) وحدت ظہور نتائج۔ پھر فرماتے ہیں:

پس معلوم ہوا، یہاں کی تمام فطری اور عالمگیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایک حقیقت ہے، جو ہمیشہ ظہور میں آئی۔ اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایک حقیقت ہے، جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی۔ ہدایت اور ضلالت کی کشمکش کی بھی ایک حقیقت ہے، جو ہمیشہ نمودار ہوتی۔ تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایک حقیقت ہے، جو ہمیشہ ظہور میں آئے اور انکار و سرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں کیونکہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا۔[۲]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"مطالب قرآنی کا یہ مقام نہایت وسیع ہے اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں، لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لیے "مقدمہ" کا انتظار کیا جائے۔"[۳]

حضرت مسیحؑ کی پیدائش سورۂ مریم کے حواشی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش پر بھی بحث کی ہے، یعنی یہ کہ قرآن بغیر باپ کے پیدائش مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ فرماتے ہیں:

جب قرآن کا ظہور ہوا تو حضرت مسیحؑ کے متعلق عیسائیوں کے بنیادی عقیدے یہ تھے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہوئے، الوہیت مسیحؑ اور اقانیم ثلاثہ اور کفارہ یعنی یہ اعتقاد کہ نجات کی راہ

---

[۱] ترجمان، جلد دوم (ص ۱۸۰، ۱۸۱)؛ [۲] ترجمان جلد ۲ (ص ۲۱۵)؛ [۳] ایضاً ایضاً۔

ظاہر ہے کہ یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیئے، جو ہر طرح کی خوش اعتقادیوں سے منزّہ اور ہر طرح کی خود پرستارانہ طرفداریوں سے پاک ہو کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے۔

"جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلانِ حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے، لیکن روک نہیں سکی ہے۔ اس فیصلے میں بھی تاریخ نے دیر نہیں لگائی۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالمِ انسانیت کے ایک ایک گوشے سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی، جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے دقیع سمجھی جا سکے۔ ہم نے "مقدمہ تفسیر" میں اس کی کوشش کی ہے اور ایک خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے۔ یہاں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں اور اختصار مفید مدعا نہیں، اس لیے مجبوراً قلم روک لینا پڑتا ہے۔"[1]

حضرت ابراہیمؑ پر الزام

سورۂ انبیاء کے حواشی میں اس امر پر بھی بحث کی ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کا الزام درست ہے، جس کے لیے صحاح کی ایک روایت سے استدلال کیا جاتا ہے؟ اس ضمن میں "تل العبید" کے مقام پر آثارِ قدیمہ کی کھدائی کا ذکر بھی آگیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ کھدائی فلاڈلفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانے اور برطانوی عجائب خانے کی ایک مشترکہ مہم نے شروع کی تھی۔

"اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت متذکرہ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے۔ سورۂ "الصافات" کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا۔ اور تفصیل مقدمہ میں ملے گی۔"[2]

یہ "مقدمہ" کی سرسری کیفیت تھی، جس کے متعلق مولانا نے "ترجمان القرآن" کے دیباچے میں تحریر فرمایا تھا:
"باقی رہے "ترجمان القرآن" کے اصول تفسیر تو ان کے لیے "مقدمۂ تفسیر" کا انتظار کرنا چاہیئے، جو "ترجمان القرآن" کے بعد اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے اور جس کے قدیم مسودات کی تہذیب و ترتیب میں آج کل مشغول ہوں۔"

حیرت بالائے حیرت

یہ سطور ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کو ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ میں لکھی گئی تھیں، اور اس وقت تک "ترجمان القرآن" کی تکمیل پر تین مہینے اور ستائیس روز گزر چکے تھے۔ مولانا کو اس کے بعد بھی اسیری کی منزلیں پیش آئیں اور ملکی آزادی کے حصول نیز اس کی تعمیر جدید کے نقشوں کی تیاری

حضرت موسیٰ سے پہلے صحیفۂ ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم ادب کے نشوونما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔

"اصل یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی مگر زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج، اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو۔ جو زبان قرآن کے معانی و دقائق کی متحمل ہوگئی، کیوں کر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ جس عربی میں امرء القیس نے اشعار کہے ہیں، اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہیے، جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے۔"[1]

پھر اس زبان کے نشوو ارتقا کے مراحل نیز احیرام ملک بیبلس کے تابوت کے ایک کتبے کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں:

"قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا اور جابجا اس بات پر زور دینا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا، ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا، عربی میں نازل کیا، صرف اتنے ہی معنیٰ نہیں رکھتا، جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے۔ تفصیل اس مقام کی "مقدمہ" میں ملے گی۔"[2]

رحمۃ للعالمین

سورۂ انبیا کی آیت ۱۰۷ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "رحمۃ للعالمین" کہا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے، مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو) اس سورہ کے حواشی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"یہاں پیغمبرِ اسلام کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے، جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے، یعنی رحمۃ للعالمین۔ یہ ظہور صرف کسی ایک ملک، کسی ایک قوم، کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالے کر دی ہے۔ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ لے سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوعِ انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کر لیں۔"[3]

---

[1] ترجمان جلد دوم (ص ۱۸۱) [2] ایضاً (ص ۴۸۰) [3] ایضاً (ص ۵۰۴)

کی تیسری جلد کے متعلق جو کچھ ان کی تحریرات کے گراں قدر ذخیرے میں مل سکے، اسے جمع کیا جائے۔ پھر دیکھا جائے کہ آیا کوئی ایسا مرقع تیار ہو سکتا ہے، جو پیشکش کے قابل ہو؟ میں نے کام شروع کیا تو آرزو کا دامن بلاشبہ بہت وسیع تھا، تاہم امید کا پیمانہ بہت محدود تھا۔ جب یہ کٹھن سفر ختم ہوا اور اندازہ کیا گیا تو دیکھ کر بحد مسرت ہوئی کہ سورہ نور سے آخر تک آیات کے خاصے بڑے حصے کا ترجمہ کسی نہ کسی شکل میں مولانا کی شائع شدہ تصانیف "الہلال" و "البلاغ" کے صفحات پر موجود ہے، لیکن میری طلب و جستجو محض ترجمے پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ان آیات کے متعلق ترجمے کے علاوہ مولانا کی ایسی تصریحات بھی مل جائیں، جیسی تصریحات "ترجمان" کی پہلی جلد میں کم اور دوسری جلد میں بہ کثرت ملتی ہیں تاکہ افادے کا دائرہ وسیع تر ہو جائے اور ان تشریحات و توضیحات کی روشنی میں آگے پیچھے کی آیات کا مطلب ذہن نشین کر لینے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل لایزال کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ ان تصریحات کے لیے بھی خاصا سر و سامان میسر آ گیا۔

نشانِ منزل

جیسا کہ اس تحریر کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے، مولانا کے پیش نظر قرآن مجید کے سلسلے میں تین کتابوں کی ترتیب تھی۔ اول "ترجمان القرآن" قرآن کی عالم گیر تعلیم و اشاعت کے لیے، دوم تفسیر "البیان" نظر و مطالعہ کے لیے اور سوم "مقدمہ" قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی بحث کے لیے۔ "ترجمان" کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں اور ان سے خصوصاً جلد دوم سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کے نزدیک قرآن کے متعلق ابتدائی کتاب کا معیار کیا تھا۔ "ترجمان" کی پہلی جلد کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بھی خاصا بڑا حصہ چھپ چکا تھا .... بعد میں مولانا اسے "ام القرآن" کے نام سے پکارتے رہے۔ طبع دوم میں تصور الٰہی کے نشوو ارتقاء اور مبحث صفات کا حصہ بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "البیان" کا پیمانہ کیا تھا۔ میں نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ "البیان" کے بعض مطالب و مباحث کے متعلق جو اشارے ملتے ہیں، وہ یکجا ہو جائیں تاکہ معلوم ہو سکے، مولانا کن مطالب کے سلسلے میں تفصیلی بحث و نظر کے خواہاں تھے۔

مقدمہ

سب سے آخر میں، مگر سب سے بڑھ کر خیال مجھے "مقدمہ تفسیر" کا تھا کیونکہ مولانا جب کبھی قرآن کے باب میں گفتگو فرماتے تھے اور "مقدمہ" کا ذکر آ جاتا تھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک یہ کتاب بڑی اہم تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھیے، میں نے قرآن کے متعلق تمام اصولی مطالب کو "مقدمہ" کے چھبیس ابواب میں اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی یا یوں سمجھنا چاہیے کہ تمام اصولی مطالب کو چھبیس عنوانوں کے ماتحت تقسیم کر لیا ہے۔ پھر ان پر ایسے انداز میں بحث کی ہے کہ کوئی چیز رہ نہ جائے، جسے قرآن کو سمجھنے کے سلسلے میں جاننا ضروری ہو۔

میں ان کی مصروفیتیں بہت بڑھی رہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کے بعد انھوں نے حیاتِ مستعار کے کم و بیش سوا ستائیس سال گزارے اور عام لیڈروں کے برعکس کم آمیزی ان کی ایک خصوصیت رہی جس کی وجہ سے انھیں مختلف اصحاب کی شکایات کا مرکز ضرور بننا پڑا، لیکن اس طرح وہ اپنے ضروری مشاغل کے لیے خاص وقت نکال لیتے تھے۔ پھر اسیری کے تمام اوقات سراسر خلوت و انزوا ہی کے اوقات تھے، جن میں اختلال کا خفیف سا بھی شائبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ انھیں "مقدمہ تفسیر" کی ترتیب کے لیے خاصا وقت مل گیا ہوگا۔ جس کے بیشتر مطالب وہ ۱۹۱۶ء تک مرتب کر چکے تھے اور ۱۹۳۶ء میں بھی بعض اہم حقائق کی تسوید و ترتیب کا سراغ ملتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجیے کہ "مقدمہ" اس منزل میں نہ پہنچ سکا، جسے مولاناؒ اپنے خیال کے مطابق منزلِ تکمیل سمجھتے تھے، لیکن یہ بات تو وہم میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اس کا کوئی خاکہ بلکہ کوئی نشان اور سراغ تک موجود نہ ہو۔ "ترجمان" کی تیسری جلد اور "البیان" کے متعلق بھی یہی معمّا مسلسل وجہ حیرت و استعجاب ہے۔ یہ مانا جا سکتا ہے کہ سب کچھ مولانا کی خواہش اور معیارِ بلند کے مطابق آخری لباس نہ پہن سکا، تاہم اسے کیوں کر قبول کیا جا سکتا ہے کہ سرے سے ایک ورق یا ایک سطر تک موجود نہ ہو بلکہ جو جو مباحث پیشِ نظر تھے اور ان کا ذکر جا بجا آ چکا ہے، وہ بھی کسی کاغذ پر لکھے ہوئے موجود نہ ہوں؟

مایوس کن حقیقت

اپنی دسترس کی حد تک چھان بین اور تحقیق و کاوش کر چکنے کے بعد سوال یہ نہ رہا کہ اس صورتِ حال کو کیوں کر قبول کر لیا جائے؟ سوال نے یہ شکل اختیار کر لی کہ اسے قبول کیے بغیر چارہ کیا ہے؟ یہ بات خیال میں آ سکے یا نہ آ سکے، عقل اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو، دل و دماغ اس کی پذیرائی پر آمادہ ہو سکیں یا نہ ہو سکیں، لیکن فی الحال کوئی بھی چیز موجود نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ محض استدلال کی پختگی یا قرائن کی ایک خاص صف بندی سے وہ تمام چیزیں وجود میں نہیں لائی جا سکتیں، جو نہیں مل رہیں۔

میرے نزدیک یہ سوال بھی حد درجہ اہم تھا کہ آخر وہ نوٹ، وہ یادداشتیں یا وہ اشارے کہاں گئے، جن کے پلندے مولانا مطالعے یا غور و فکر کے ماحصل کی حیثیت میں مدت العمر تیار کرتے رہے اور ایک مقام پر انھوں نے لکھا بھی ہے کہ یہ اشارے بہ نظرِ اختصار عموماً عربی یا فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ بے شک ۱۹۲۱ء تک کے ذخیرے برباد ہو چکے تھے، لیکن اس کے بعد بھی مولاناؒ سینتیس سال تک یہ سلسلہ برابر ترتیب دیتے رہے اور جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، وہ نومبر ۱۹۳۰ء میں "مقدمہ" کے قدیم مسودات کی ترتیب و تہذیب میں مشغول تھے۔

سعی و کاوش

بہر حال جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو جہاں ان کے دوسرے بکھرے ہوئے افادات کی فراہمی اور ترتیب و تہذیب شروع کی، وہاں میری توجہ اور کاوش کا اصل مرکز یہ رہا کہ "ترجمان"

انتہائی احتیاط کے باوجود مجھے اس اعتراف میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ ممکن ہے میں نے اپنی علمی بے بضاعتی یا نافہمی کے باعث ٹھوکریں کھائی ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو ان ٹھوکروں کے لیے صرف مجھے ملزم گردانا جائے، مولاناؒ کی ذات گرامی کو اس کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا :

من و دل گر فنا شدیم چہ باک

غرض اندر میاں سلامت اوست

مرحوم کے ساتھ میرے تعلق کی مدت چوالیس سال سے کم نہ تھی اور ان میں سے پینتیس سال ایسے گزرے جن میں ان کی شفقتیں اور نوازشیں میرے لیے افتخار کا بہت بڑا سرمایہ بنی رہیں، یہاں تک کہ بعض سیاسی امور میں اختلاف رائے بھی ان پر اثر انداز نہ ہوا۔ عقیدت و نیاز کی اس طویل مدت کے تقاضے بڑے گراں قدر تھے، افسوس کہ میری ہمت درماندہ انھیں پورا نہ کر سکی۔ تاہم جو کچھ ممکن تھا، اس میں حتی الامکان کوتاہی نہ ہوئی۔ اہل نظر خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مولاناؒ کی تحریرات سے ان آیات کی بہم آوری بحر بیکراں سے موتی نکالنے کے برابر جفاکشی و مشقت خیزی کی متقاضی تھی۔ میرا نصب العین صرف یہ رہا کہ مولانا کے جتنے بھی افادات و فیوض بہ صورت منضبط منظر عام پر آ سکیں، آ جائیں۔ مختلف اصحاب اپنے علوم و معارف کی ترتیب و اشاعت کے لیے ادارے قائم کر گئے، جن میں سے بعض اداروں نے اب خانقاہی مسندوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ مولاناؒ نے خدا جانے ایسے کتنے اداروں کے لیے شاہانہ امداد و اعانت کا بندوبست کیا، مگر بہترین مواقع کے باوجود اپنے لیے کسی ایسے ادارے کی بنیاد نہ رکھی۔ بے نفسی، حسن کردار اور اخلاص کی ایسی ایمان افروز نظیریں ہر جگہ نظر نہیں آ سکتیں۔ مرحوم کی ذات گرامی سے عقیدت و نیاز کے ہر مدعی کا فرض ہے کہ وہ ان کے علوم و معارف کی تہذیب و ترتیب کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے، جلد از جلد کرے۔ عقیدت کا اصل تقاضا یہی ہے، ورنہ وقتاً فوقتاً چند الفاظ ستائش مرتب کر دینے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟

التجائے دعا

میرے سامنے چند اور کام بھی ہیں، ان کے سرانجام کے بعد مولاناؒ کی سیرت لکھنا چاہتا ہوں اگر زندگی کی مہلت کے کچھ اوقات باقی ہیں تو ان کاموں کی تکمیل میں غالباً زیادہ دیر نہ لگے، لیکن اگر مشیت الٰہی کا فیصلہ یہ نہیں تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کو دنیا بھر کے کاموں کا اجارہ دار نہیں بنایا گیا اور یہ بھی محض وہم ہے کہ اگر فلاں نے یہ کام پورا نہ کیا تو پھر اور کوئی نہ کر سکے گا۔ جن شخصیتوں میں خدا نے بقائے دوام کے جوہر ودیعت کیے ہیں، وہ بہ ہر حال زندہ رہیں گی اور زمانہ ان کے تعلق میں تمام ضروری واجبات کا انتظام خود کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا انھیں گرامی منزلت ہستیوں میں سے تھے، جنھوں نے فضائل علم، فضائل عمل اور فضائل اخلاق کے دائروں میں ہمیشہ زندہ رہنے والے کارنامے انجام دیے۔ ایسے وجود کسی معاملے کے لیے نیاز مندوں کی

ایک مرتبہ خود ہی کہا کہ "مقدمہ" عربی میں لکھا ہے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی ضرورت پوری دنیائے اسلام کو ہے۔ عربی کے ذریعے سے یہ مطالب جلد از جلد دنیائے اسلام کے ہر حصے میں پہنچ جائیں گے بعد ازاں انھیں اردو میں منتقل کر لینا ہرگز مشکل نہ ہوگا۔

میری آرزو تھی کہ "مقدمہ" کے متعلق انھوں نے جہاں جہاں ذکر فرمایا ہے، اسے بھی یکجا کر دوں تاکہ اندازہ ہو سکے، انھوں نے "مقدمہ" میں کون کون سے مسائل شامل کیے تھے اور جو خوش نصیب لوگ آئندہ قرآن کے سلسلے میں تحقیقی کام کرنا چاہیں، ان کے غور و فکر اور رہنمائی کے لیے نہایت عمدہ روشنی مہیا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے علم میں جو جو چیز آئی ہے، اسے فراہم کرتا گیا اور ہر ذکر کا مبنیٰ تفصیل سے پیش کیا تاکہ مولانا کے نقطۂ نگاہ کا بہتر اور خوب تر اندازہ ہو سکے۔

ضروری گزارش

اتنا اور عرض کر دوں کہ میں نے جو چیزیں جمع کی ہیں، ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ "ترجمان القرآن" جلد سوم کا بدل ہیں۔ حاشا و کلا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ بھی مولانا کے قلم سے اس حصۂ قرآن کے متعلق نکلا جو جلد سوم کا موضوع تھا، وہ خوانندگان کرام کے سامنے آ جائے۔ مجھے یہ کہنے کا بھی کوئی حق نہیں کہ اگر مولانا کی مرتب فرمائی ہوئی جلد سوم شائع ہوتی تو ان آیتوں کا ترجمہ یا تشریح وہی ہوتی جو میں نے مولانا کی تحریرات سے پیش کی ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر وہ سب کچھ میسر نہیں آ سکتا، جس کی توقع مولاناؒ کی ذات گرامی سے تھی تو جو کچھ مل سکتا ہے، اسے پیش کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ بےشک وہ نقاش کا نقشِ اول ہی ہو، نقش ثانی نہ ہو۔

مولانا کا طریقہ یہ تھا کہ کسی مضمون یا مقالے کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات پیش کرتے تھے تو عموماً تشریحی ترجمہ فرماتے تھے۔ پیش نظر مجموعے میں بھی ایسی آیات ہیں، جن کا ترجمہ تشریحی ہے۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق حتی الامکان تشریحی حصوں کے آگے پیچھے خطوطِ وحدانی کھینچ دیے ہیں تاکہ ترجمہ اور تشریح الگ الگ ہو جائیں، لیکن اس کوشش میں ہر جگہ کامیاب نہیں ہوا۔ بعض مقامات پر کوئی ٹکڑا ترجمے سے رہ گیا یا مثلاً ایک دو سورتوں کا بہت بڑا حصہ مکمل ہو گیا، صرف دو تین آیتیں کسی وجہ سے نظر انداز ہو گئیں تو میں نے ایسے مقامات کے لیے حضرت شیخ الہند کا ترجمہ لکھ دیا اور اس کے گرد خطوط کھینچ کر حوالہ دے دیا۔

تشریحات

تشریحات میں بھی میں نے مولانا ہی کی عبارتیں قائم رکھی ہیں اور زیادہ تر عبارتیں ترجمہ شدہ آیات کے آس پاس ہی تھیں، البتہ جہاں عبارتوں کا دامن بہت پھیل گیا تھا، وہاں میں نے کچھ حصے حذف کر دیے اور جہاں ربط مطالب کے لیے اپنی طرف سے چند الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا۔ انھیں خطوطِ وحدانی میں دے دیا تاکہ مولانا کی عبارتوں سے الگ رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے ٹکڑے بہت کم ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ترجمان القرآن

دیباچہ مکمل ہو چکا تھا تو ایک عزیز دوست نے فرمائش کی کہ "باقیات" کے ساتھ "ترجمان القرآن" کے بعض اہم پہلوؤں کی مجمل تشریح بھی ضروری ہے، کیونکہ وہی تشریح" باقیات کی ترتیب کے لیے وجہ جواز ہوگی۔ یہ مطالبہ مجھے ہر لحاظ سے معقول و محکم معلوم ہوا۔ چنانچہ آئندہ صفحات اسی کی تکمیل کا کرشمہ ہیں۔

سعی و اہتمام کے محتاج نہیں ہو سکتے۔

بہرحال میں نے یہ مشقت اس لیے اٹھائی کہ قرآن مجید کے متعلق مولاناؒ کے تمام فیوض و افادات جو مختلف تحریرات میں بکھرے ہوئے تھے، یکجا ہو جائیں۔ تمام تحریرات خصوصاً "الہلال" و "البلاغ" ہر شخص کی دسترس میں نہیں اور دسترس میں بھی ہوں تو غیر منضبط حالت میں ان افادات سے ٹھیک ٹھیک فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا جسمانی مشقتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو میری یہ محنت یقیناً حد درجہ دلگیر تھی، لیکن مقصود و نصب العین کی محبوبیت نے اسے دل آویزی و دلپذیری کے ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ جی چاہتا تھا، باقی عمر اسی میں بسر ہو جائے۔

آخر میں گزارش ہے کہ اگر یہ کام کسی بھی درجے میں درخورِ اعتنا ہو تو اس عاجز کے لیے اللہ کی بارگاہ میں اجر کی دعا کریں۔ اگر مجھ سے کہیں کوئی لغزش یا کوتاہی سرزد ہوئی ہو تو اس کے لیے عفو و درگزر سے عند اللہ ماجور ہوں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان۔

مسلم ٹاؤن، لاہور

یکم اگست ۱۹۶۰ء

کرنے لگا۔ بہرحال زمانہ اس کام کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو مگر مؤلف نے زمانے کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے اور اس پر قانع ہے۔ جو کچھ طلب ہے، استفادہ و عمل کی ہے، اعتراف و تحسین کی نہیں:

از رود از قبول تو فارغ نشستہ ایم
اے آنکہ خوب ما نشناسی ز زشت ما[۱]

بنیادوں کی استواری

جب "ترجمان القرآن" کی دوسری جلد شائع ہوئی تھی تو میں نے مختلف اوقات میں مختلف مطالب کے سلسلے میں پے در پے سوالات کیے تھے۔ یہ بھی عرض کیا تھا کہ جلد اول میں بھی جلد دوم کے پیمانے پر حواشی تحریر فرما دیجیے کیونکہ جا بجا تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ مولانا خاص لطف و نوازش سے ان کے جواب دیتے رہے۔ ایک مکتوب گرامی میں فرمایا کہ رمضان کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا دنیا کے لیے چار موسم ہوا کرتے ہیں، میرے لیے صرف دو رہ گئے ہیں، گیارہ مہینے خزاں کے، ایک بہار کا۔ رمضان میرے لیے "بہار و بادہ" کا پیام ہوتا ہے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں۔

"اگر مہلت ملے تو "ترجمان القرآن" جلد اول کا از سر نو مطالعہ کیجیے۔ کام کی اصل بنیادیں تو وہیں استوار ہوئی ہیں۔ اگر بقرہ اور آل عمران کی مہمات حل نہیں ہوتیں۔ تو قرآن میں سے کچھ بھی حل نہیں ہوتا۔ پھر تفسیر سورۂ فاتحہ کے مطالب تو اصل اصول ہیں۔ اس کی چار چار پانچ پانچ سطروں کے اندر جو بات لکھ دی گئی ہے وہ اپنی جگہ ایک پوری کتاب ہے۔ البتہ اسلوب بیان علمی ہے، انشا پردازانہ پھیلاؤ نہیں ہے۔ نیز یہ مقدمہ بھی واضح نہیں ہوا ہے کہ معاملے کی پچھلی حالت کیا تھی اور جو تدوینات اب عمل میں آئی ہیں، وہ کون سی ہیں۔ لامحالہ سرسری نظر کام نہیں دیتی۔ خصوصیت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔"[۲]

میری گزارشات کے حدود

اصل صورت حال یقیناً وہی ہونی چاہئے تھی جس کا ذکر ابتدا میں کر چکا ہوں لیکن جیسا کہ مولانا نے تفصیلاً بیان کیا "ترجمان" کے سلسلے میں اندازہ شناسی کے ممکنات چنداں وسیع نہ تھے اور اگرچہ آج بھی "ترجمان" کے لیے ایسی تڑپ موجود ہے۔ جو اس نوعیت کی کسی دوسری کتاب کے لیے شاید ہی پائی جائے لیکن اس کی اہمیت و عظمت کا معاملہ بڑی حد تک اعتقادی ہی معلوم ہوتا ہے، تحقیقی نہیں۔ میں خود علم و نظر کے لحاظ سے تقریباً بے نوا ہوں اور جسارت نہیں کر سکتا کہ "ترجمان" کی عظمت و برتری کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لیے تیار ہو جاؤں۔ تاہم جو آیات میں نے تیسری جلد کے

---

[۱] ترجمان القرآن جلد دوم دیباچہ ص ۴۰۔ [۲] "نقش آزاد" ص ۱۱۶

تمہید میرا ارادہ نہ تھا کہ بحث کو طول دوں اور خود "ترجمان القرآن" کے مختلف فضائل و محاسن کی طرف بہ طور خاص توجہ دلاؤں کیونکہ پہلی جلد کو چھپے ہوئے کم از کم اٹھائیس اور دوسری جلد کو چھپے ہوئے کم از کم چوبیس برس گزر چکے ہیں اور اتنی پرانی کتابوں کے متعلق جن کی اشاعت پر دو دو تین تین قرن گزر چکے ہیں اور ان کے متعدد مستند و غیر مستند ایڈیشن چھپ چکے ہیں، کچھ لکھنا یا ان کے مختلف پہلوؤں کو ابھارنا غالباً عام حالات میں مستحسن نہ سمجھا جاتا، لیکن ایک عزیز دوست نے اس پر اصرار کیا اور خود میرا تاثر یہی تھا کہ اشاعت پر خاصی مدت گزر جانے کے باوجود عام حضرات ابھی تک ان کے حقیقی محاسن کا صحیح اندازہ نہیں فرما سکے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآن مجید کے فہم و بصیرت کے سلسلے میں جو تحریری سرمایہ عموماً مروج تھا، اس کی حیثیت کا پیمانہ سامنے نہیں، نہ یہ معلوم ہے کہ تفسیر کے تمام بنیادی اصول کی پابندی ملحوظ رکھتے ہوئے معارف قرآن میں غور و تدبر کا وسیع میدان موجود ہے اور غور و تدبر بہر حال مطلوب و مقصود ہے۔ پھر کیوں کر اندازہ ہو سکتا تھا کہ معاملہ پہلے کہاں تھا اور اب کہاں پہنچ گیا ہے۔

مولاناؒ کو زندگی میں بھی یہ احساس رہا کہ بے شک لوگوں نے "ترجمان" کو پڑھا اور پسند کیا، لیکن اصل کام کی نوعیت و حیثیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ ملک میں دو گروہ تھے، جن سے اس باب میں خوشگوار امیدیں وابستہ کی جا سکتی تھیں: اول علماء، دوم جدید تعلیم یافتہ لوگ۔ مولاناؒ خود فرماتے ہیں کہ پہلا گروہ قدیم راہوں سے آشنا ہے اور نظر و تدبر کے نئے تقاضوں سے آشنا نہیں۔ دوسرا گروہ نئے تقاضوں کی تشنگی رکھتا ہے اور قدیم راہوں سے آشنا نہیں، نیز اس منزل کی مشکلات سے بے خبر ہے۔ ایسی حالت میں علمی نوعیت کا اندازہ شناس نہ تو پہلا گروہ ہو سکتا ہے، نہ دوسرا اور تیسرا گروہ مفقود ہے۔

مولاناؒ کا بیان چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

"کام کی علمی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کے جس قدر اردو فارسی ترجمے موجود ہیں، سب سامنے رکھ لیے جائیں، نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھا لی جائیں۔ یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظر و کاوش وہی ہے۔ پھر کم از کم کسی ایک سورت کا ترجمہ "ترجمان القرآن" میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کون سی بات وہاں کس شکل و نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کون سی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے۔ پھر اس اختلاف نظر نے مقاصد و مطالب قرآنی کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت

L6873

پھر فرماتے ہیں کہ صدیوں سے اس طرح کے اسباب و مؤثرات نشوونما پاتے رہے، جن کی وجہ سے قرآن کی حقیقت بتدریج نگاہوں سے مستور ہوتی گئی اور اس کے فہم و مطالعہ کا ایک نہایت پست معیار قائم ہوگیا۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ "انھوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی، اسے بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔" ان حالات کے پیش نظر قرآن کو اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھنا چاہیں تو ضروری ہوگا کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں، جو مختلف عہدوں اور گوشوں کے خارجی مؤثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں۔

مخالف اثرات کی کیفیت اختصاراً یوں بیان فرمائی :

چند ضروری نکتے

۱۔ قرآن حکیم اپنی وضع، اسلوب، انداز بیان، طریق خطاب، طریق استدلال غرض ہر بات میں اپنا فطری طریقہ رکھتا ہے، ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے، جو انبیائے کرامؑ کے طریق ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ جب فطرت سے بُعد ہوتا ہے اور وضعیت کا استغراق غالب آجاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حسن و عظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو بلند اور شاندار بنانے کے لیے وضعیت و صناعیت کے زیادہ سے زیادہ پیچ و خم پیدا کر دیں۔ چنانچہ قرآن کے لیے بھی وضعیت کے لباس تیار کیے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی ہر بات ناموزوں اور پیچیدہ بن کر رہ گئی۔ قرآن کے اسلوب بیان کی بیان کردہ مشکلات، اس کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط، اس کی زبان کے متعلق بحثیں، اس کی بلاغت کے مسائل، اس کے طریق استدلال سے بےخبری وغیرہ کے باب میں جو بھی کچھ سامنے آیا ہے، صرف فطرت سے بُعد اور وضعیت کے استغراق کا نتیجہ ہے۔

۲۔ قرآن کے بارے میں قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی جنھوں نے خود حامل قرآن صلعم سے مطالب سمجھے۔ قرآن تیئس۲۳ برس میں نازل ہوا۔ وہ جس قدر نازل ہوتا تھا، صحابۂ کرامؓ سنتے تھے، نمازوں میں دہراتے تھے اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا، خود پیغمبر اسلام صلعم سے پوچھ لیتے تھے۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کے فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں اور سلف کی صریح تفسیر کے خلاف ہر گوشے میں قدم اٹھا دیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی۔ آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے کمزور پہلو اختیار کیا گیا، پھر بڑھتے بڑھتے دور تک نکل گئے جب مشکلوں سے دوچار ہوتے تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اٹھانے لگے۔

سلسلے میں جمع کیں، ان کی مناسبت کا تقاضا یہی ہوا کہ اپنے محدود علم کی حد تک بعض ضروری مطالب پیش کر دوں، شاید یہ طریقہ بالغ نظر اور حقیقت شناس اصحاب کے لیے رفیق طریق کا کام دے سکے۔

میں جو کچھ لکھوں گا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ "ترجمان" کے مختلف اہم حصّوں کی کیفیت اجمالاً پیش کرتا جاؤں گا تاکہ اندازہ ہو سکے، "ترجمان" کے ذریعے سے فہمِ قرآن کے کون کون سے نئے دروازے کھلے۔ نیز پہلے کے مقابلے میں معاملہ کتنا بلند اور مرکزی دینی تصور سے کتنا موافق و قریب تر ہو گیا۔ گویا میرے پیش نظر جو کچھ ہے، وہ بھی اسی ابرِ فیض کے رشحات ہیں۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ انھیں ایک خاص ترتیب سے کاغذ کے صفحات پر پھیلا دوں۔

تفسیر و ترجمہ اور حواشی

"ترجمان" کی دونوں جلدوں میں دو ٹکڑے ایسے ہیں جنھیں "تفسیر البیان" کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے: اول تفسیر سورہ فاتحہ جو جلد اول کے آغاز میں ہے، دوم ذوالقرنین پر ایک مفصل نوٹ جو سورۂ کہف کے حواشی میں شمار ہوتا ہے۔ تاہم اس کی حیثیت مستقل ہے۔ یہ تیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور ہر صفحے میں کم و بیش آٹھ سو الفاظ ہیں۔ ان کے علاوہ یا تو قرآن کی سورتوں کا ترجمہ ہے یا ان کی تشریح مزید کے لیے جگہ جگہ حواشی دے دیے گئے ہیں۔ البتہ بعض سورتوں کے اختتام پر متعدد اہم مسائل کی مختصر سی تشریح کر دی گئی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض تشریحات و تفصیلات "تفسیر البیان" میں سے اخذ کر کے "ترجمان" میں شامل کر دی گئی ہیں۔ یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسی "تشریحات البیان" کی تفصیلات اور ترجمان کے اختصار کا ایک درمیانی مرقع ہیں۔ میں تفصیل کے نمونے بھی پیش کروں گا، مختصر حواشی کی حقیقی کیفیت بھی منظرِ عام پر لاؤں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ مختلف آیات کے ترجمہ و توضیح میں مولانا نے معنویت کے کون کون سے پہلو واضح فرمائے، جو پیشتر اس انداز میں واضح نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح مقدمہ یقیناً ان حدود کے مقابلے میں زیادہ پھیل جائے گا، جو اس کے لیے پہلے سے تجویز کر رکھے تھے۔ اپنی کم علمی کا بہ خلوص قلب اعتراف کرتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ شاید اس طرح کتاب کی حیثیت بڑھ جانے اور مولانا کے ارشاد کے مطابق طلب استفادہ و عمل کی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

مشکلاتِ کار

مولانا نے "ترجمان" کی جلد اول کے آغاز میں تحریر فرمایا تھا کہ اصول ترجمہ کے متعلق ایک مختصر سی تحریر بہ طور مقدمہ شامل کتاب کر دینے کا خیال تھا، لیکن موضوع کی پیچیدگیاں اور مباحث کی گہرائیاں ایسی نہیں کہ تفصیل و اطناب کے بغیر بیان میں آ سکیں۔ پورے اصول تو مقدمۂ تفسیر میں بیان ہوں گے البتہ ان مشکلات و موانع کی طرف ایک سرسری اشارہ کر دینا ضروری ہے جو اس راہ میں حائل تھے تاکہ اندازہ کیا جا سکے، معاملے کی عام حالت کیا تھی اور مطالعۂ قرآن کا جو قدم بہ صورت "ترجمان" اٹھایا گیا ہے، وہ کس رخ پر جا رہا ہے۔

سے نہیں آتی، اس کے بے شمار دروازے ہیں۔ جب کھل جاتے ہیں تو کسی کے بند کیے بند نہیں ہوتے۔ ان کے استیلاء سے علماء حق نے عقائد و اعمال محفوظ رکھے، لیکن دماغ محفوظ نہیں رکھے جا سکتے تھے اور محفوظ نہیں رہے

۱۱ - چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا اور نوادر کے سوا عام شاہراہ تقلید کی ہو گئی۔ ہر شخص آنکھیں بند کر کے پیشروؤں کے پیچھے چلتا رہا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو وہ نویں صدی کی تفسیروں تک برابر نقل ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیے چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

۱۲ - قرون اخیرہ میں درس و متداول کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں، جو قدما کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔

۱۳ - متداول تفسیریں اٹھا کر دیکھیے، جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے وہاں اکثر اسی قول کو ترجیح دیں گے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہو گا۔

۱۴ - اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا، جس کے اندیشے سے صحابہؓ و سلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں۔

تفسیر بالرائے

ایک بہت بڑی مصیبت "تفسیر بالرائے" سے پیدا ہوئی۔ اس کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب سمجھنے میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے۔ اگر یہ مطلب ہو تو قرآن کے درس و مطالعہ کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا، حالانکہ قرآن اول سے آخر تک تعقّل و تفکر کی دعوت ہے۔ تفسیر بالرائے میں "رائے" مصطلحۂ شارع ہے اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے۔ اس نے متعدد شکلیں اختیار کیں۔ مثلاً:

۱ - عقائد میں ردّ و کد کا سلسلہ چلا تو مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے۔ ہر مذہب کے مناظر کی جستجو یہ نہ تھی کہ قرآن کیا کہتا ہے، ساری کاوش اس کی تھی کہ کسی طرح اس سے اپنے مذہب کی تائید و حمایت کے دلائل پیدا کر لیے جائیں۔

۲ مذاہب فقہیہ کے مقلدوں میں گروہ بندی کے جذبات تیز ہوئے تو وہ اپنے اپنے مسائل کی تائید میں آیات قرآنیہ کو کھینچنے لگے۔ یہ فکر نہ تھی کہ لغتِ عرب کے صاف صاف معنی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضا اور عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا ہو سکتا ہے، تمام تر کوشش یہ تھی کہ قرآن کو اپنے مذہب کے مطابق کر دکھایا جائے۔

۳ - صوفیہ اسرار و بطون کی جستجو میں دور تک نکل گئے۔ پھر اپنے موضوع عقائد و مباحث پر قرآن کو ڈھالنے لگے اور قرآن کا کوئی حکم، کوئی عقیدہ، کوئی بیان، اس تحریف معنوی سے نہ بچا۔

۴ - ایک گروہ نے قرآن کے مطابق استدلال کو مروجہ منطق کا لباس پہنانا چاہا۔ جہاں کہیں آسمان، کواکب، نجوم

۳ - نومسلم اقوام کے قصص و روایات ابتدا ہی سے پھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اسرائیلیات کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دور دور تک سرایت کر چکے تھے اور وہ برابر جسم تفسیر میں پیوست رہے۔

۴ - ایک طرف صحابہؓ و سلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف غیر محتاط جامعوں نے آفت برپا کر دی اور ہر تفسیر جس کا سرا کسی تابعی سے ملا دیا گیا تھا، سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔

۵ - اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دور از کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا، حالانکہ اس کا طریق استدلال ہی ہے، جس سے اس کے ارشادات و بصائر، قصص و امثال، مواعظ و حکم اور مقاصد و مہمات کھلتے اور ابھرتے تھے اور اسی استدلال کو وہ "حجۃ بالغۃ" قرار دیتا ہے۔

فلسفہ، سائنس اور عربی ادب

۶ - منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دیں۔ عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحہ معنی میں استعمال ہونے لگے، حالانکہ قرآن کا موضوع یونانی فلسفہ نہیں اور نہ نزول قرآن کے وقت عربی زبان ان مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی۔ چنانچہ غلو، احدیت، مثلیت، تفصیل، حجت، برہان، تاویل وغیرھم نے وہ معانی پیدا کر لیے، جن کا صدر اول میں کسی سامع قرآن کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

۷ پھر سمجھ لیا گیا کہ قرآن کو وقت کی تحقیقاتِ علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے۔ چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظام بطلیموسی کو اس پر چپکایا جائے، ٹھیک اسی طرح جس طرح آج کل کے دانش فروشوں کا طریق تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علم ہیئت کے مسائل قرآن پر چپکائے جائیں۔

۸ - ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں۔ جب تک مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرے کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں۔ جب ان کی وضاحت باقی نہ رہی تو قدرتی طور پر اس کا کوئی بیان، کوئی تعلیم، کوئی استدلال، کوئی خطاب، کوئی اشارہ، کوئی اجمال ایسا نہ رہا، جو اس تاثر سے محفوظ ہو۔

۹ - قرآن کی صحت فہم کے لیے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اول ہے، لیکن مختلف اسباب سے، جن کی تشریح محتاج تفصیل ہے، یہ ذوق کمزور پڑتا گیا اور مطالب میں بے شمار الجھاؤ محض اس لیے پڑ گئے کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کے محاورات و مدلولات سے یک قلم بُعد ہو گیا۔

۱۰ - ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم و فنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا۔ بے شک علماء حق نے اسلام کے عقائد و مسائل کو سیاسی اثر سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی، لیکن وقت کی تاثیر صرف سیاست کے دروازے

رکھتی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ اسے " سبعاً من المثانی" کہا گیا ہے، یعنی سات دہرائی جانے والی چیزیں۔ چونکہ یہ سورت سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے، اس لیے اسے " السبع المثانی" بھی کہتے ہیں۔ علاوہ بریں، احادیث و آثار میں اس کے اور نام بھی آئے ہیں، مثلاً " اُمّ الکتاب" " الکافیہ" " الکنز" " اساس القرآن" عربی میں اُمّ کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے، جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں یا بہت سی چیزوں میں مقدم ہوں یا اوپر کی کوئی ایسی چیز ہو جس کے نیچے بہت سے توابع ہوں۔ " ام القرآن" کا مطلب یہ ہُوا کہ اس سُورت میں مطالب قرآنی کی جامعیت و مرکزیت ہے۔ یا عام سورتوں میں اس کی جگہ نمایاں اور مقدم ہے۔ " اساس کے معنی بنیاد کے ہیں، " الکافیہ" کے معنی کفایت کرنے والی چیز اور " الکنز" کے معنی خزانہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اس کے مثل کوئی سورت نہیں" دوسری روایت میں اسے سب سے بڑی سورت اور " سب سے بہتر سورت" بھی فرمایا۔

فاتحہ کے مطالب سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں دینِ حق کے جو مقاصد تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں، اس سورت میں انھیں بہ شکل اجمال بیان کیا گیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی نادان اور اَن پڑھ ہو لیکن ان سات چھوٹی چھوٹی آیتوں کا یاد کر لینا اور ان کا سیدھا سادہ مطلب ذہن میں بٹھا لینا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اس سے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکا، جب بھی اس نے دینِ حق کا بنیادی سبق لے لیا۔

" یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اس سورت کا سیکھنا اور پڑھنا ناگزیر ہُوا اور نماز کی دعا اس کے سوا کوئی نہ ہو سکی کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (صحیحین) اور اسی لیے صحابہ کرامؓ اسے " سورۃ الصلوٰۃ" کے نام سے پکارتے تھے، یعنی وہ سورت جس کے بغیر نماز نہیں پڑھی جا سکتی ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے، مزید معرفت و بصیرت کا ذریعہ ہوگا، لیکن اس سے کم کوئی چیز نہیں ہو سکتی[1]"

اسلوب بیان اور مجمل تفسیر

فرماتے ہیں، دینِ حق کے ماحصل پر جس قدر غور کیا جائے گا، ان چار باتوں سے باہر کوئی بات نہ ملے گی

۱۔ خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصوّر اور انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جتنی ٹھوکریں لگیں، صفات ہی کے تصوّر میں لگیں۔

۲۔ قانونِ مجازات کا اعتقاد یعنی جس طرح ہر چیز کا ایک خاصہ اور قدرتی تاثیر ہے، اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں۔ نیک کاموں کا نتیجہ اچھائی ہے، برے کاموں کا برائی۔

---

[1] ترجمان القرآن" جلد اول ص ۲۷

وغیرہ کے الفاظ آ گئے تو ان پر یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے شروع کر دیے۔

۵ - آج کل مصر و ہند کے بعض مدعیان اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کیے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے گویا قرآن صرف اس لیے نازل ہوا تھا کہ جو بات کاپرنیکس، نیوٹن، ڈارون اور ولیس نے کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے بغیر دریافت کر لی، اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور وہ بھی صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئے، یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور تیرہ سو سال کے معمے حل فرمائیں۔

یہ اور اس قسم کی تمام تفسیریں یقیناً "تفسیر بالرائے" ہیں اور یہی تفسیریں تھیں، جن کے اندیشے سے اسلاف کی روحوں پر لرزہ طاری ہوتا تھا۔

اس تفصیل کے بعد یہ عرض کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ مولانا نے "ترجمان" میں ترجمہ و تفسیر اور فہم مطالب قرآنی کے لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس کی خصوصیات کیا تھیں۔ یقیناً وہ ان تمام خرابیوں سے یک قلم پاک تھا، جن کا ذکر تفصیلاً اوپر آ چکا ہے۔

تفسیر فاتحہ

اب میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ کے تفسیری مطالب کا ایک سرسری خاکہ پیش کر دوں تاکہ اندازہ ہو سکے، مولانا تفسیر کے باب میں کیا نقطۂ نگاہ رکھتے تھے۔ کسی سورت کی تفسیر کا کوئی مرتب خاکہ ہمارے سامنے ہے تو صرف یہ ہے، اگرچہ اسے ہر لحاظ سے مکمل نہیں کہا جا سکتا اور مولانا اس میں جا بجا اضافے کرنا چاہتے تھے۔

مثلاً ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک مضمون "الہلال" میں "حجت ابراہیمی" کے عنوان سے لکھا تھا، وہ اب نہیں ملتا اور "الہلال" کی جلدیں ادھر ادھر ہو گئی ہیں۔ اگر وہ مضمون مل جائے تو اسے سورۂ فاتحہ میں شامل کر دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے حجت ابراہیمی والے چاروں نمبروں کا مضمون نقل کرا کے، ستمبر ۱۹۵۴ء میں مولانا کے پاس دہلی بھیج دیا۔ پھر ان کے ارشاد کے مطابق وہ نمبر بھی مہیا کر کے بھیج دیے، جن میں "حجت ابراہیمی" والا مضمون چھپا تھا۔ یہ تمام تفصیلات "نقش آزاد" کے ان مکاتیب سے معلوم ہو سکتی ہیں، جو ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء میں لکھے گئے۔ یہ واقعہ بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر موجودہ صورت میں مکمل نہ تھی۔ بایں ہمہ زیادہ سے زیادہ جامع تفسیری نمونہ یہی ہے اور اسی کا مرقع بطور آئینہ سامنے رکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ "البیان" مکمل شکل میں شائع ہوتی تو اس کا اندازہ کیا ہوتا۔

فاتحہ کے نام اور مطالب

فرماتے ہیں، قرآن کی یہ سب سے پہلی سورت ہے، اس لیے "فاتحۃ الکتاب" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ یہ قرآن کی تمام سورتوں میں خاص اہمیت

کے فکر و وجدان کا سرجوش ہے، جو ایک طالب صادق کی زبان پر بے اختیار اُبل پڑتا ہے۔

دیکھیے اس صاف، واضح اور مختصر سے بیان میں سورۂ فاتحہ کے حقائق کس خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان فرما دیے۔ اس بیان پر ایک نظر بازگشت ڈالیں تو روشن ہو جائے گا کہ خدا کے سچے اور فرمانبردار بندے کی صحیح اور وجدانی طلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی، جس کا نقشہ سورۂ فاتحہ میں آگیا اور اس مقدس سورت کا ہر حصہ سراسر فطری اور وجدانی معلوم ہوتا ہے۔

نظامِ ربوبیت

سورہ فاتحہ کی مجمل تشریح کے بعد دو تین صفحوں میں الحمد للہ پر بحث کی ہے، پھر رب العلمین کے سلسلے میں نظام ربوبیت کا بیان آگیا ہے، جو کم و بیش چھبیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس میں ربوبیت کا ایک ایک پہلو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے اور کائنات کے مختلف گوشوں سے اس کے لیے دلپذیر مثالیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس کے چند عنوان ملاحظہ فرمائیے: پانی کی بخشش و تقسیم کا نظام، تقدیر اشیا، عناصر حیات، نظام پرورش، نظام ربوبیت کی وحدت، پھر جسمانی ربوبیت سے بیان کا رخ۔ ربوبیت معنوی کی طرف پھر گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ جس حد تک مادیات کا تعلق ہے، ہدایت کے تین مرتبے ہیں: اول ہدایت وجدان، دوم ہدایت حواس، سوم ہدایت عقل و ادراک۔ یہیں سے قرآن کے طریق استدلال کا آغاز ہوتا ہے اور اس کا اولین مبدا دعوت تعقل قرار دیا گیا ہے یعنی یہ کہ انسانی حقیقت شناسی کی راہ میں عقل و بصیرت سے کام لے اور اپنے وجود کے اندر باہر جو کچھ بھی محسوس کر سکتا ہے، اس میں تدبر و تفکر کرے۔

مبدائے استدلال

متعدد آیات دعوت تعقل اور تخلیق بالحق کے سلسلے میں پیش کر چکنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کا مبدائے استدلال یہ ہے:

١ - نزول قرآن کے وقت خدا پرستی اور دینداری کے جتنے تصورات موجود تھے، نہ صرف عقل سے خالی تھے، بلکہ ان کی بنیاد سراسر غیر معقول تھی۔ قرآن نے خدا پرستی کے لیے عقلی تصور پیدا کیا۔

٢ - اس کی دعوت کی بنیاد تعقل و تفکر ہے اور وہ خصوصیت سے کائنات خلقت کے مطالعہ و تفکر پر زور دیتا ہے۔

٣ - وہ کہتا ہے: اس مطالعہ و تفکر سے انسان پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ کارخانۂ ہستی کی کوئی بھی چیز کسی ٹھہرائے ہوئے مقصد اور مصلحت سے خالی نہیں اور کسی بالاتر قانون کے ماتحت ظہور میں آتی ہے۔ یہی تخلیق بالحق ہے یعنی یہاں کی ہر چیز خاص نظم و ترتیب کے ساتھ حکمتوں اور مصلحتوں کے عالمگیر سلسلے میں بندھی ہوئی ہے۔

٤ - جب انسان ان مقاصد و مصالح پر غور کرے گا تو عرفان حقیقت کی راہ خود بخود اس پر کھل جائے گی اور جہل و کوری کی گمراہیوں سے وہ نجات حاصل کرے گا۔

اس چیز کو مولانا نے "برہان ربوبیت" سے تعبیر کیا اور اس کی تائید میں متعدد آیات پیش کیں۔ پھر نظام ربوبیت

۳ ۔ معاد کا یقین، یعنی انسانی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کے بعد بھی زندگی ہے جہاں جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

۴ ۔ فلاح وسعادت کی راہ اور اس کی پہچان۔

اب غور کیجیے کہ فاتحہ میں یہ چاروں باتیں کس خوبی سے جمع کر دی گئی ہیں۔ اختصار کا یہ عالم کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں۔ پھر الفاظ ایسے نپے تلے کہ معانی پوری وضاحت سے دلنشین ہو گئے۔ بیان بہت صاف اور سادہ، نہ اس میں کوئی پیچ وخم ہے، نہ الجھاؤ۔

اللہ کو مخاطب کر کے ان صفتوں سے پکارا گیا ہے، جن کا جلوہ شب و روز انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ پھر یہ ایک خدا پرست انسان کی سیدھی سادی دعا ہے اور ہر لفظ یا بیان سے دین حق کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد واضح ہوتا ہے۔ پہلے حمد ہے اور حمد ثنائے جمیل کو کہتے ہیں، یعنی اچھی صفتوں کی تعریف۔ پس حمد کے ساتھ صفات کے سلسلے میں خوف و دہشت کا تصوّر جمع نہیں ہو سکتا۔ جو ذات محمود ہو گی، وہ جمیل و محبوب ہی ہو سکتی ہے، خوفناک نہیں ہو سکتی۔ پھر رب العالمین میں خدا کی صفت ربوبیّت آ گئی۔ رحمٰن و رحیم نے اس کی صفت رحمت نمایاں کر دی۔ مالک یوم الدین نے صفت عدالت کے چہرے سے نقاب اٹھا دی۔ ان تین صفات کی مکمل شبیہ کھنچ گئی، جو انسان کو وہ سب کچھ دے دیتی ہے، جس کی ضرورت نشو و ارتقا میں پیش آ سکتی ہے اور تمام گمراہیوں سے حفاظت کا انتظام کر دیتی ہے۔

پھر غور کیجیے کہ قانون مجازات کے لیے "الدین" کا لفظ استعمال کیا تاکہ واضح ہو جائے جزا انسانی اعمال کا قدرتی نتیجہ و خاصہ ہے اور اگر کائنات میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ صفات قہر و جلال بھی ہیں تو اس لیے نہیں کہ پروردگار عالم میں غضب و انتقام ہے قطعاً نہیں۔ صرف اس لیے ہیں کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافی رحمت نہیں، بلکہ عین رحمت ہے

ایاک نعبد اور ایاک نستعین میں عبادت و استعانت کا ذکر حصر کے ساتھ کیا۔ اس سے توحید کے تمام مقاصد کی تکمیل کے ساتھ شرک کی تمام راہیں بند ہو گئیں۔

سعادت و فلاح کی راہ کو صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا۔ یعنی سیدھی راہ، گویا اس راہ کا طلب گار سیدھی اور ٹیڑھی میں امتیاز رکھتا ہے۔ وہ پہلی راہ کا خواہشمند ہے، جو انعام یافتہ یعنی کامیاب و فائز المرام انسانوں کی راہ ہے اور اس راہ سے بچنے کے لیے مضطرب ہے، جس پر چلنے والے غضب اور گمراہی کے مورد ہوئے۔

پھر سورت کے لیے دعا کا پیرایہ اختیار کیا گیا۔ یہ پیرایہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا پرستی کی راہ میں راستباز انسان قدم اٹھاتا ہے تو اس کی صدائے حال کیا ہوتی ہے اور کیا ہونی چاہیے۔ مولاناؒ کے الفاظ میں یہ گویا خدا پرستی

تسکین حیات، اختلاف لیل ونہار، حیوانات کا اختلاف، نباتات کا اختلاف، جمادات کا اختلاف، قانونِ تثنیہ یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے کا قانون، مرد اور عورت، نصب اور مصر۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے جس طرح ربوبیت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے، اسی طرح وہ رحمت کے آثار و حقائق سے بھی استدلال کرتا ہے اور برہانِ ربوبیت کی طرح، برہانِ فضل و رحمت بھی اس کی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوب خطاب ہے۔ کائنات خلقت کی ہر شے میں ایک مقرّرہ نظام کے ماتحت رحمت و فضل کے مظاہر کا موجود ہونا انسان کو یقین دلادیتا ہے کہ یہ سب ایک رحمت والی ہستی کی کارفرمائیاں ہیں۔ ممکن نہیں، فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔

چنانچہ برہانِ ربوبیت کی طرح وہ برہانِ رحمت سے بھی توحید، وحی و تنزیل کی ضرورت اور معاد پر استدلال کرتا ہے اور مولانا نے متعدّد آیتوں سے اس استدلال کی توثیق کی ہے۔

عقائد کا دینی تصوّر اور رحمت

فرماتے ہیں کہ قرآن نے انسان کے لیے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائناتِ فطرت کے عالم گیر کارخانے سے کوئی الگ اور بے تعلق چیز قرار نہیں دیتا مثلاً وہ کہتا ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے۔ احادیث و آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو خدا سے محبت کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ اس کے بندوں سے محبت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت سے نہیں دہرایا جس کثرت سے رحمت کو دہرایا۔ قرآن کے جن مقامات میں رحمت کا ذکر آیا ہے، وہ تین سو سے زیادہ ہوں گے۔ اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لیے جائیں، جہاں لفظ رحمت تو مستعمل نہیں ہوا، لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہے، مثلاً ربوبیت، مغفرت، رأفت، کرم، حلم، عفو تو یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے دیکھنے والا پکار اٹھے قرآن اوّل سے آخر تک رحمتِ الٰہی کا پیغام ہے۔

اس سلسلے میں احادیث کا بھی بڑا ذخیرہ موجود ہے مثلاً خدا کی رحمت انھیں بندوں کے لیے ہے، جو اس کے بندوں کے لیے رحمت رکھتے ہیں یا زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان میں تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ کی رحمت قیامت کے دن رحم کرنے والوں کے لیے ہے، اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا ہی کے لیے ہو۔

قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبے پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے انسان کا جوہر شرافت، جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند کرتا ہے، صفاتِ الٰہی کے پرتو کے سوا کچھ نہیں انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفاتِ الٰہی پیدا ہو جائیں۔

انجیل اور قرآن

اسلام کے احکام و شرائع میں دشمنوں سے پیار کرنے کا ذکر کہیں نہیں کیونکہ ایسا کہنا حقیقت

سے اولاً توحید پر استدلال کی وضاحت کی، ثانیاً اسی نظام سے وحی و رسالت کی ضرورت پر قرآنی دلائل پیش کیے، ثالثاً اسی نظام سے وجود معاد پر استدلال کیا اور اس کی تائید مختلف آیات سے کی۔ آخر میں لکھا:

"قرآن حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث و تقریر کا نہیں، جس کے لیے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے، پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں۔ بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ عموماً اس کے دلائل اس کے اسلوب بیان و خطاب میں مضمر ہوتے ہیں۔ وہ یا تو کسی مطلب کے لیے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے یا کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ ایسا بول جاتا ہے کہ اس کی تعبیر ہی میں اس کی دلیل بھی موجود ہوتی ہے اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا جا بجا استعمال ہے۔ جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اسے "رب" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو یہ بات کہ وہ رب ہے، جس طرح اس کی ایک صفت ظاہر کرتی ہے، اسی طرح اس کی دلیل بھی واضح کر دیتی ہے۔ وہ رب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی ربوبیت تمھیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور خود تمھارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہے۔ پھر کیونکر تم جرأت کر سکتے ہو کہ اس کی ہستی سے انکار کرو؟ وہ رب ہے اور رب کے سوا کون ہو سکتا ہے جو تمھاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو[1]

نظام رحمت

ربوبیت کے بعد "الرحمن الرحیم" کے سلسلے میں نظام رحمت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں، عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں، جس سے کسی دوسری ہستی ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آ جائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان سب کا مفہوم شامل ہے اور مجرد محبت لطف اور فضل سے زیادہ وسیع و حاوی ہے[2]

جب ہم کائنات ہستی پر غور کرتے ہیں تو فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت کے ذریعے سے ہوتی ہے لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت یہاں کارفرما ہے اور خود ربوبیت بھی اسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے۔ قرآن اس حقیقت کو رحمت سے تعبیر کرتا ہے اور یہ خالق کائنات کی رحمانیت و رحیمیت کا ظہور ہے۔

یہ بیان بہت پھیلا ہوا ہے صفحہ ۶۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۱۳ تک مسلسل چلا گیا ہے۔ اس کے بعض اہم مطالب کا نقشہ ملاحظہ فرما لیجیے: تعمیر و تحسین کائنات رحمت کا نتیجہ ہے، جمال فطرت، جمال معنوی، بقاء انفع، تدریج و امہال

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۰۔ [2] ایضاً ص ۶۲

جنھیں قرآن انسانی حواس اور فکر و بصیرت سے محروم قرار دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے پاس دل ہیں، مگر سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ وہ ایسے ہو گئے ہیں، جیسے چار پائے بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔

شدت و سختی انھیں لوگوں کے لیے ہے۔ حضرت مسیحؑ بھی اپنے زمانے کے مفسدوں کو "سانپ کے بچے اور ڈاکوؤں کے گروہ" کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں

"اگر ایسے گروہ کے لیے بھی لب و لہجہ کی سختی رحمت کے خلاف ہے تو بلاشبہ ان معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں۔ وہ دین حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا۔ فطرتِ کائنات کا اپنے فعل و ظہور کے ہر گوشے میں کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سرتاسر رحمت ہے، لیکن رحمت کے ساتھ عدالت اور بخشش کے ساتھ جزاء کا قانون بھی رکھتی ہے۔ پس قرآن کہتا ہے: میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا۔ جس مرحومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے، وہ یقیناً میرے آستین و دامن میں نہیں مل سکتی"[۱]

صفتِ عدالت

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ربوبیت اور رحمت کے بعد اللہ تعالیٰ کی تیسری بڑی صفت عدالت ہے، جو سورۂ فاتحہ کی آیت "مالک یوم الدین" میں بیان ہوئی ہے۔ دین یہاں جزا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس تعبیر کی موزونیت کے سلسلے میں صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ قرآنی تصور کے مطابق جزا و سزا نیک و بد اعمال کا طبعی خاصہ ہے۔ قرآن نے قانون مجازات کو اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا فعل قرار نہیں دیا، جو کائناتِ ہستی کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو، بلکہ اسی کا ایک گوشہ قرار دیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے، برے کا برائی۔ اچھائی کو ہم ثواب قرار دیتے ہیں، برائی کو عذاب۔ اسی ثواب و عذاب کے لیے وحی الٰہی نے بہشت اور دوزخ کے نقشے کھینچے ہیں، جن سے مقصود یہ ہے کہ ہم اپنی تعبیرات کے مطابق ان کا صحیح مفہوم ذہن نشین کر سکیں۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ربوبیت اور رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کوئی صفت بیان نہیں ہوئی، بلکہ صفتِ عدالت بیان کی گئی۔ گویا قرآن خدا کی صفات کا جو تصور قائم کرانا چاہتا ہے، اس میں قہر و جلال کی صفات عدالت کے مظاہر بن کر آتی ہیں۔ جس طرح کارخانہ ہستی اپنی بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے، اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے اور یہی تین معنوی عنصر ہیں، جن سے ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے، عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی

---

[۱] ترجمان، جلد اول، ص ۱۱۲، ۱۱۳

نہ ہوتی مجاز ہوتا، لیکن ایسے احکام یقیناً موجود ہیں، جن کا مفاد یہ ہے کہ ہو سکے تو دشمنوں کو بھی بخش دو اور جو دشمن کو بخش دینا سیکھ لے گا، اس کا دل خود بہ خود بغض و نفرت سے پاک ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ سوال سامنے آ گیا کہ حضرت مسیح نے دشمنوں سے بھی پیار کی تلقین فرمائی تھی، پھر کیا ان کی تعلیم صحیح نہ تھی؟

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کے متعلق معتقدوں اور نکتہ چینوں، دونوں نے ٹھوکر کھائی۔ دونوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تشریع تھی حالانکہ یہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک مؤثر پیرایۂ بیان تھا۔ حضرت مسیح کا ظہور ایسے عہد میں ہوا تھا، جب یہودیوں کا اخلاقی تنزّل انتہا تک پہنچ چکا تھا اور محض ظاہری احکام و رسوم کی پرستش، دینداری و خدا پرستی سمجھی جاتی تھی۔ یہی حال گرد و پیش کی دوسری قوموں اور گروہوں کا تھا۔ حضرت مسیح سرتاسر رحم و محبت کا پیغام بن کر آئے اور اپنے مواعظ میں اسی پہلو پر زور دیتے رہے۔ تمام مذاہب نے "عمل اور عامل" میں فرق کیا ہے۔ عملِ بد سے نفرت کی ہے، لیکن اس کے عامل سے نفرت نہیں کی، جیسے طبیب لوگوں کو بیماریوں سے ڈراتا ہے، مگر بیماروں کے ساتھ انتہائی توجہ اور شفقت سے پیش آتا ہے۔

در اصل انجیل کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں، صرف بیان کے مقام اور اسلوب میں فرق ہے۔ حضرت مسیح نے صرف اخلاق اور تزکیے پر زور دیا اور احکام کے لیے شریعت موسوی موجود تھی۔ قرآن کو اخلاق اور قانون دونوں بہ یک وقت بیان کرنے پڑے۔ بہ ایں ہمہ اس نے بھی سب سے پہلے عفو و درگزری پر زور دیا اور اسے نیکی و فضیلت کی اصل قرار دیا۔ پھر بدلے اور سزا کا دروازہ بھی کھلا رکھا کہ ناگزیر حالات میں اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ ساتھ ہی بار بار کہا کہ بدلے اور سزا میں کسی طرح کی ناانصافی اور زیادتی نہ ہونی چاہیے۔

مخالفوں کے لیے شدّت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن مجید میں مخالفوں کے لیے جا بجا شدّت و سختی اور زجر کا پیرایہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی پوری تعلیم کا اصل اصول رحمت ہے تو شدّت و سختی کیوں روا رکھی گئی؟

قرآن نے "کفر" کا لفظ "انکار" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ انکار کی دو قسمیں ہیں: اول محض انکار، دوم جارحانہ انکار۔ محض انکار یہ ہے کہ ایک تعلیم قبول نہ کی جائے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ تعلیم سمجھ میں نہیں آئی، یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس شے کو وہ شخص پہلے سے قبول کیے بیٹھا ہے، اس پر قانع ہے اور کسی نئی تعلیم کے لیے اس کے دل میں کوئی طلب نہیں۔

جارحانہ انکار کا مدّعا یہ ہے کہ صرف عدم قبول پر قناعت نہ کی جائے، بلکہ تعلیم کے خلاف ضد اور بغض و عناد کا جوش پیدا ہو جائے اور ہر ممکن ذریعے سے اس کی مزاحمت شروع کر دی جائے۔ مثلاً کوئی کہے، روشنی تاریکی سے بہتر ہے تو جارحانہ انکار کرنے والے کی صدا یہ ہو گی کہ تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں

مختلف نظریے قائم کیے گئے مثلاً مین ازم[ا] یعنی اجداد پرستی، اینی مزم[۲] یعنی روحیت پرستی، اجرام پرستی وغیرہ۔ ان علما کی رائے یہ تھی کہ مختلف گروہ نہایت سادہ اور ماحول سے متعلق عقائد لے کر چلے، آہستہ آہستہ ان عقائد نے ارتقائی بنا پر مذاہب کی حیثیت اختیار کر لی، لیکن بیسویں صدی اپنے انقلاب انگیز انکشافوں میں زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ یہ تمام نظریے متزلزل ہو گئے اور نئے نظریے بننے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بیسویں صدی کی علمی جستجو سے ہم اس نتیجے کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ انسان کا قدیم ترین اعتقاد توحیدی اور غیر اصنامی تھا یعنی پہلی راہ ہدایت کی تھی، گمراہی بعد کو آئی۔ انسان نے ہوش و خرد کی آنکھ کھولی ہی تھی کہ ایک یگانہ ہستی کا اعتقاد اس کے اندر موجود تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے قدم ڈگمگاتے رہے۔ خود قرآن مجید کے مختلف ارشادات سے بھی یہی سراغ ملتا ہے۔

یقیناً انسان کو اس راہ میں جتنی بھی ٹھوکریں لگیں، وہ صفات کے متعلق تھیں اور تمام کڑیوں پر غائر نظر ڈالی جائے تو ہمیں تین ارتقائی نکتے ملتے ہیں۔

۱ ۔ تجسّم و تشبیہ سے تنزیہ کی طرف۔ تجسّم سے مقصود یہ ہے کہ خدا بھی مخلوق کی طرح جسم و صورت رکھتا ہے۔ تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ اس میں بھی مخلوق کی سی صفات موجود ہیں۔ تنزیہ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان باتوں سے مبرا و منزّہ یقین کیا جائے، جو جسم و صورت یا صفات میں مخلوقات جیسی ہوں۔

۲ ۔ تعدّد و اشراک سے توحید کی طرف۔

۳ ۔ صفات قہر و جلال سے صفات رحمت و جمال کی طرف۔

انسان کے تخیل پر ابتدا میں قہری صفات کا زیادہ اثر اس لیے پڑا کہ اس کا ماحول خاصا ناساز گار تھا۔ شورش و ہولناکی اسے معاً اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور اس کے پیچھے نظم و ترتیب اور سکون و امن کی دنیا اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھی۔ وہ کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے فوراً متاثر ہوا اور ایجابی مظاہر کے حسن و جمال کی حقیقی حیثیت اس پر جلد کھل نہ سکی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک اس پر ہیبت طاری کرتی رہی۔ یہ اندازہ نہ کر سکا کہ اسی گرج اور کڑک سے پانی برستا ہے، جو خشک و تفسیدہ زمین کو تختۂ گلزار بناتا ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت دنیا کے تصوّرات

ان مبادی کی سرسری کیفیت پیش کر چکنے کے بعد مولانا نے صفاتِ الٰہی کے متعلق ان تصوّرات کا سراغ لگایا، جو نزول قرآن کے وقت انسانوں کے مختلف گروہوں میں رائج تھے۔ اس سلسلے میں پانچ ایسے تصوّرات پر بحث کی، جنھیں مذاہب کا درجہ حاصل تھا یا حاصل ہو گیا تھا یعنی چینی، ہندوستانی، مجوسی، یہودی اور مسیحی۔ چھٹا تصور وہ تھا جس

[ا] MANISM

[۲] ANIMISM یعنی جسمانی زندگی کے علاوہ ایک مستقل روحانی زندگی کا تصور

ہے اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے۔

عدل کے معنی ہیں برابر ہونا، کم یا زیادہ نہ ہونا، اسی لیے معاملات و قضایا میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دینے کو عدل کہتے ہیں۔ کارخانہ ہستی کی ہر خوبی اور ہر بناؤ صرف عدل و توازن پر موقوف ہے بلکہ عدل و توازن نہ ہوتو، نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ عمل بھی وہی مقبول ہے جو عدل و قسط پر مبنی ہو، یعنی جو افراط و تفریط اور میل وانحراف سے بالکل پاک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے برائی اور بدعملی کے لیے جتنی تعبیرات اختیار کیں، سب ایسی ہیں کہ اگر ان کے معنی پر غور کیا جائے تو عدل و توازن کی ضد ثابت ہوں گی۔ گویا قرآن کے نزدیک برائی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو۔ مثلاً:

۱۔ ظلم کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات جس جگہ ہونی چاہئے، وہاں نہ ہو، بے محل ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ برائی حقیقت عدل کے منافی ہے۔

۲۔ طغیان کے معنی ہیں کسی چیز کا حد سے گزر جانا۔ یہ بھی عدالت کی ضد ہے۔

۳۔ اسراف کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز جہاں جتنی مقدار میں خرچ ہونی چاہیے اس سے زیادہ خرچ کی جائے۔ یہ بھی عدل کے خلاف ہے۔

۴۔ تبذیر اسراف سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی جگہ خرچ کی جائے جہاں خرچ نہ ہونی چاہیئے۔ اسراف صرف مقدار میں عدل کے خلاف تھا، تبذیر سراسر عدل کے خلاف ٹھہری۔

اسی طرح آپ برائیوں کی حقیقت پر غور کرتے جائیں گے تو ہر جگہ یہی واضح ہوگا کہ حقیقتِ عدل سے کم یا زیادہ انحراف کیا گیا۔

صفاتِ الٰہی کا تصوّر

ربوبیّت، رحمت اور عدالت کے تین بنیادی معنوی عناصر کا ذکر کرتے ہوئے طبعاً صفات الٰہی کا مسئلہ سامنے آگیا۔ مولانا نے "ترجمان" کی پہلی اشاعت میں اس موضوع پر صرف اشارات سے کام لیا تھا، دوسری اشاعت میں یہ حصّہ از سرِ نو لکھا اور اب یہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے کم و بیش پچاس صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی تفصیل پیش کرنا قطعاً ممکن نہیں، لیکن اس کے مطالب کی فہرست سامنے رکھ لینے سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ کہ اس موضوع کے مختلف گوشوں کو کس عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ اندازہ ہو سکے گا کہ حقائق قرآن ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی طلب وسعی میں مولانا علمی دنیاؤں کے کیسی کیسی گوشوں میں پھرتے۔

بحث کا آغاز اس ذکر سے ہوا کہ دینی عقائد کے تصورات کی تاریخ نے انیسویں صدی میں علماء یورپ کے نزدیک ایک مستقل شاخ علم کی حیثیت اختیار کی اور انسانیت کے قدیم گروہوں کے عقائد کی چھان بین کرتے ہوئے

مسیح کی تعلیم سراسر رحم اور شفقت کی تھی، لہذا پیروان مسیحیت نے خدا کا تصور شوہر کے بجائے باپ کی شکل میں کیا اور حسب مسیحی عقائد کا امتزاج رومی اصنام پرستی سے ہوا تو اقانیم ثلاثہ، کفارہ اور مسیح پرستی کے تصورات چھا گئے۔

فلاسفۂ یونان میں سے سقراط تصور باری تعالیٰ میں سب سے اونچے درجے پر پہنچا۔ پھر اس سلسلے میں اسکندریہ سے فلاطونیت جدیدہ کا سلسلہ جاری ہوا جس نے عیسائیت پر خاصا اثر ڈالا۔

قرآنی تصور غرض ظہور قرآن کے وقت کے تمام تصورات پر بحث کے بعد قرآنی تصور کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱ - قرآن نے تنزیہ کی تکمیل اس پیمانے پر کردی کہ اس کے بعد اور کوئی درجہ باقی نہ رہا۔ ساتھ ہی یہ واضح کردیا کہ تنزیہ اور تعطیل میں فرق ہے۔ تنزیہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے، صفاتِ الٰہی کو مخلوق کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے۔ تعطیل کے معنی یہ ہیں، نفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکر انسانی کے تصور کے لیے کچھ باقی نہ رہے، یعنی قرآن تمام صفات و افعال کا فرداً فرداً اثبات کرتا ہے، مگر مشابہت کی قطعی نفی بھی کرتا جاتا ہے۔

۲ - قرآن نے ایک طرف رحمت و جمال کا کامل تصور پیدا کردیا، دوسری طرف جزائے عمل کا سررشتہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا اور جزاء کا اعتقاد قہر و غضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کیا۔ وہ خدا کی تمام صفات کو حسن و خوبی کی صفات قرار دیتا ہے، یعنی "اسماءِ حُسنیٰ"۔ اس کے نزدیک قہر و جلال کی صفتیں بھی حسن و خوبی ہی کی صفتیں ہیں کیونکہ قدرت و عدالت کے تابع نمودار ہوتی ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں صرف تین صفتیں بیان کیں، ربوبیت، رحمت اور عدالت گویا حسن و خوبی کی یہی صفتیں بنیاد و اساس قرار پائیں۔

۳ - جس حد تک توحید و اشراک کا تعلق ہے، قرآنی تصور کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ خدا اپنی ذات میں یگانہ ہے، اس کی صفات بھی یگانہ ہیں۔ اگر کسی دوسری ہستی کو صفات میں بھی شریک و سہیم مان لیا جائے تو عظمتِ یگانگی باقی نہ رہے گی۔ قرآن نے توحید کے ایجابی و سلبی دونوں پہلو نمایاں کیے۔ تمام مذاہب نے زور توحید فی الذات پر دیا تھا قرآن نے توحید فی الصفات کو بھی ساتھ رکھا۔

معلّم کی شخصیت ۴ - سب سے زیادہ نازک معاملہ معلّم و رہنما کی شخصیت کا تھا۔ کوئی تعلیم عظمت و رفعت حاصل نہیں کرسکتی، جب تک معلّم میں بھی عظمت و رفعت کی شان پیدا نہ ہو جائے، لیکن سوال اس عظمت کے حدود کا تھا۔ یہیں سب نے ٹھوکر کھائی۔ کبھی معلّم کی شخصیت کو خدا کا اوتار بنا دیا گیا، کبھی ابن اللہ سمجھ لیا گیا۔ قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا تھا کہ لغزشوں کے تمام دروازے بند ہوگئے۔ اس نے صرف توحید پر زور نہ دیا بلکہ شرک کی ہر راہ بھی بند کردی۔ دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل اور

نے فلاسفۂ یونان کے ذریعے سے ارتقا پایا اور اس کا مکمل نقشہ سقراط کی تعلیم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تفصیل ممکن نہیں، اختصاراً صرف اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ چین کے سلسلے میں مولاناؒ نے لاؤ تسزو[1] اور کنگ فوزی[2] کے مسلک پیش کیے۔ ساتھ ہی چین کے شمنی مذہب یعنی بدھ مت کی کیفیت واضح کر دی۔ ہندوستانی تصور میں اوپانی شدوں کا وحدت الوجودی تصور پیش کیا۔ نیز اس امر پر مفصل بحث کی کہ بدھ خدا کی ہستی کا منکر نہ تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے، البتہ بدھ کی وفات کے بعد اس کے پیرو دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ بدھ کی شخصیت میں ایک رہنما اور معلم کی انسانی شخصیت دیکھنا چاہتا تھا، دوسرے نے خود بدھ کو ربانی سطح پر متمکن کر دیا۔

ہندوستانی تصور کے متعلق اتنا اور کہہ دینا چاہیئے کہ اس میں توحید بھی موجود تھی اور اصنامیت بھی۔ مولاناؒ فرماتے ہیں :

"یہاں پہلے دن سے عقائد و عمل کی مختلف راہیں مصلحتاً کھلی رکھی گئیں تاکہ خواص اور عوام دونوں کے فہم و استعداد کی رعایت ملحوظ رہے۔ توحیدی تصور خواص کے لیے تھا کیونکہ وہی اس بلند مقام کے متحمل ہو سکتے تھے۔ اصنامی تصور عوام کے لیے تھا، کیونکہ ان کی طفلانہ عقول کے لیے یہی راہ موزوں تھی۔ پھر چونکہ خواص بھی جمعیت و معاشرت کے عام ضبط و نظم سے باہر نہیں رہ سکتے تھے، اس لیے عملی زندگی میں انھیں بھی اصنام پرستی کے تقاضے پورے ہی کرنے پڑتے تھے۔

اس طرح ہندو زندگی کی بیرونی وضع قطع بلا استثنا اشراک اور اصنام پرستی ہی کی رہتی آئی۔

مجوسی تصور کے سلسلے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ زرتشت کے ظہور سے پہلے میڈیا اور فارس میں دیوتائی طاقتوں کو دو بڑے مظہروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا: ایک روشن ہستیاں جو انسان کو زندگی کی خوشیاں بخشتی تھیں، دوسری تاریک عفریتوں کی ہستیاں جو ہر طرح کی ہلاکتوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ تھیں۔ زرتشت نے مزداینہ کی تعلیم دی یعنی دیوتاؤں کی جگہ خدائے واحد اہورامزد کی پرستش کی جائے جو بے ہمتا، بے مثال ہے، نور ہے، پاکی ہے، خیر ہے، پوری کائنات کا خالق ہے۔ چند صدیوں کے بعد ایران میں قدیم مجوسی عقائد زرتشتی عقائد میں مل گئے اور پہلے کی طرح خیر و شر کی قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔

یہودی اور مسیحی تصور زیادہ بحث کے محتاج نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خدا کا جو تصور پیش کیا وہ ایک غیور شوہر کا تصور تھا، جو اپنی چہیتی بیوی (اسرائیل) کی بے وفائی پر جوشِ غضب کا اظہار کرتا رہا۔

---

[1] LAOTZO - یہ مسلک تاؤ (TAO) نے جاری کیا تھا۔ اسے چین کا تصوف یا ویدانت سمجھنا چاہیئے۔

[2] KUNG-FU-TSE یہ وہی نام ہے جسے بالعموم کنفیوشس کہتے ہیں۔ صحیح چینی تلفظ کنگ فوزی ہے جو مولانا نے اختیار کیا ہے۔

ناکام و نامراد ہیں۔

گویا یہ طلب ہدایت کی دعا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تکوین وجود کے چار درجے ہیں، جیسا کہ سورۂ اعلیٰ کی مندرجہ ذیل آیتوں سے واضح ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۝ — وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر اسے درست کیا، پھر اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر راہِ عمل کھول دی۔

یہ چار درجے تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت کے ہیں:

۱۔ تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، یہ بات کہ کائناتِ خلقت اور اس کے ہر وجود کا مواد عدم سے وجود میں آ گیا، تخلیق ہے۔

۲۔ تسویہ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز کو جس طرح ہونا چاہیے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح اسے درست اور آراستہ کر دیا جائے۔

۳۔ تقدیر۔ تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں یعنی کسی چیز کے لیے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینے کے خواہ یہ ٹھہراؤ کمیّت میں ہو یا کیفیت میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت نے جسمانی اور معنوی قویٰ کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے، جس سے کوئی وجود باہر نہیں جا سکتا اور اندازہ ایسا ہے، جو اس کی زندگی اور نشوونما کے تمام احوال و ظروف سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہے۔

۴۔ ہدایت۔ ہدایت کے معنی راہ دکھانے، راہ پر لگا دینے اور رہنمائی کرنے کے ہیں۔ اس کے مختلف درجات ہیں۔ مثلاً اول ہدایتِ وجدان، جس میں تمام جاندار مخلوق آ جاتی ہے۔ دوم ہدایتِ حواس، یہ بھی انسانوں اور حیوانوں کے لیے مشترک ہے۔ سوم ہدایتِ تعقل، یہاں انسان دوسرے حیوانات سے الگ ہو جاتا ہے۔ وجدان کی ہدایت وجود میں سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے، حواس اس کے لیے معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور عقل نتائج و احکام مرتب کرتی ہے۔

ہدایت وحی و نبوّت

پھر جس طرح وجدان کی نگرانی کے لیے حواس کی ضرورت تھی، اسی طرح حواس کی تصحیح و نگرانی کے لیے عقل کی ضرورت ہوئی۔ حواس کا ذریعۂ ادراک محدود بھی ہے اور بعض اوقات یہ غلطی اور گمراہی سے بھی محفوظ نہیں رہتا۔ مثلاً بخار کی حالت میں ہمیں میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے یا صحرا میں چلتے چلتے محسوس ہوتا ہے کہ سامنے پانی موجزن ہے، قریب جائیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حواس کی درماندگیوں میں عقل ہمیں راستہ دکھاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم وجداناً محسوس کرتے ہیں کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی نگرانی و رہنمائی کا کوئی مرتبہ ہونا چاہیے، کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتی ہی

تمام عبادت گزارانہ اعمال صرف خدا کے لیے مخصوص رکھے۔ سورہ فاتحہ میں فرمایا: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن اور اسلام کی تعلیم کا بنیادی کلمہ یہ قرار دیا، اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشہد انّ محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ اس اقرار میں خدا کی توحید کے اعتراف کے ساتھ پیغمبر اسلام کی بندگی (عبدیت) اور رسالت کا اعتراف شامل ہے اور بندگی کو رسالت پر مقدم رکھا تاکہ یہ اعتقاد اسلام کی اصل و اساس بن جائے اور کوئی موقع باقی نہ رہے کہ عبدیّت کی جگہ معبودیت اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔ غرض کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتا، جب تک وہ خدا کی توحید کی طرح پہلے پیغمبر اسلام کی بندگی پھر رسالت کا اقرار نہ کرے۔

۵ - قرآن نے علوم و فنون کی طرح مذہبی عقائد میں بھی خواص و عوام کا امتیاز ملحوظ نہ رکھا۔ یہ نہیں کیا کہ خدا کا حقیقی تصوّر تو خواص کے لیے ہو اور مجازی عوام کے لیے۔ سب کے لیے ایک تصور ہے۔ البتّہ طلب و جہد کے لحاظ سے سب کے مراتب یکساں نہیں ہوسکتے اور درجات، طلب و استعداد اور عمل و سعی ہی پر موقوف ہیں

۶ - قرآن نے تصوّرِ الٰہی کی بنیاد انسان کے عالم گیر وجدانی احساس پر رکھی۔ اسے فکر و نظر کی کاوشوں کا معمّا نہیں بنایا جسے خاص طبقے ہی کا ذہن حل کرسکے۔

صفات کی قدرتی ترتیب

آخر میں اتنا اور عرض کر دینا چاہیے کہ سورۂ فاتحہ میں ربوبیت، رحمت اور عدالت کی صفتیں جس ترتیب سے بیان ہوئی ہیں، یہ فکر انسانی کے طلب و معرفت کی قدرتی منزلیں ہیں:

"سب سے پہلے ربوبیت کا ذکر کیا گیا، کیونکہ کائناتِ ہستی میں سب سے زیادہ ظاہر نمود اسی صفت کی ہے اور ہر وجود کو سب سے زیادہ اسی کی احتیاج ہے۔ ربوبیّت کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا، کیونکہ اس کی حقیقت بہ مقابلہ ربوبیت کے، مطالعے اور تفکّر کی محتاج تھی اور ربوبیت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے، تب رحمت کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔ پھر رحمت کے بعد عدالت کی صفت جلوہ افروز ہوئی، کیونکہ یہ سفر کی آخری منزل ہے۔ رحمت کے مشاہدات کی منزل سے قدم آگے بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، یہاں عدالت کی نمود بھی ہر جگہ موجود ہے اور اس لیے موجود ہے کہ ربوبیّت و رحمت کا مقتضا یہی ہے۔"[1]

صراط مستقیم

یہ اس دعا کا آخری حصّہ ہے، جو خدا کے سچے فرمانبردار بندے کے دل سے نکلتی ہے یعنی سیدھا راستہ کھول دینے کی التجا جو انعام یافتہ اور کامیاب انسانوں کی راہ ہے، نہ ان کی جو پھٹکارے گئے یا گمراہی میں پڑ گئے، کیونکہ پھٹکارے ہوئے اور گمراہ کامیاب نہیں

---

[1] ترجمان" جلد اول ص ۱۷۰ + ۱۷۱

ہے۔ یہی ہے جس پر لوگ چلتے ہیں۔ اور وہ چوڑی بھی ہے، نیز وہی منزلِ مقصود پر پہنچا دینے والی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ زمین پر انگشتِ مبارک سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: "یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہُوا راستہ ہے، بالکل سیدھا۔ اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا: یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لیے گئے اور ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کے لیے ایک شیطان موجود نہ ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ (اور یہی راہ میری ٹھہرائی ہوئی سیدھی راہ ہے۔ سو اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمھیں تتر بتر کر دیں)

دین کی سیدھی راہ ایک ہی ہے۔ جو لوگ گروہ بندیوں کو مقدم رکھتے ہیں، وہ الگ الگ راستوں پر چلتے ہیں۔ سیدھی راہ کی پہچان ایسی بتا دی کہ کسی کو اس کے معلوم کر لینے میں تکلف نہیں ہو سکتا اور نہ کسی ذہنی کاوش کی ضرورت پڑتی ہے۔ فرمایا: وہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہے، یعنی ان لوگوں کی جو کامیاب و بامراد ہیں۔

انسان دیکھتا ہے کہ دنیا میں عموماً دو ہی قسم کے ہم جنس پائے جاتے ہیں: ایک وہ جنھیں نیک نامی، عزت، سعادت اور کامیابی حاصل ہوئی، دوسرے وہ جو بدبختی، محرومی، شقاوت اور خسارے کا مورد بنے۔ سیدھی راہ پہلوں کی ہے، دوسروں کی نہیں۔

اس پہچان کے سلسلے میں صرف ایجابی پہلو پر اکتفا نہ کیا، بلکہ دوسرا پہلو بھی واضح کر دیا۔ یعنی صرف اتنا نہ کہا کہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر لگا دے، یہ بھی بتا دیا کہ جو لوگ غضب اور گمراہی کے مورد ہوئے، ان کی راہ یہ نہیں۔ احادیث و آثار سے واضح ہوتا ہے کہ "مغضوب" سے مراد یہودی اور "ضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یہ صرف مثالیں دے دی گئیں۔ یہودیوں جیسی مغضوب اور نصاریٰ جیسی گمراہ جماعتیں اور بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں۔ گویا خدا کا سچا فرمانبردار بندہ اس سیدھی راہ کا طلب گار رہتا ہے، جس پر چل کر اس کے ہم جنسوں نے کامیابی حاصل کی اور محرومی و ناکامی سے محفوظ رہے۔

قرآنی قصص اور تاریخی استقراء

یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ قرآن نے جتنے بھی قصے بیان کیے ہیں، ان میں تاریخی استقراء پیشِ نظر رکھا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دنیا میں بے شمار قومیں گزر چکی ہیں۔ ان میں وہ قومیں بھی ہیں جو اپنے اچھے اعمال کی بنا پر کامیاب و بامراد ہوئیں، ایسی بھی ہیں، جو برائیوں کے باعث شقاوت و محرومی کا تختۂ مشق بنیں۔ سب کے اعمال اپنے طبعی خواص و نتائج پیدا کرتے رہے اور جیسے اعمال تھے، ہر عہد میں ان کے یکساں نتائج نکلے۔ مثلاً سنکھیا زہر ہے۔ جس کسی نے سنکھیا کھائی، وہ مسموم ہوا۔ شہد میٹھا ہوتا ہے اور یہ ہر عہد میں اپنی مٹھاس پر قائم رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ بھی یہی ہوگا۔ اچھے اعمال والے گروہ کامیابی حاصل کریں گے، برے اعمال والے ناکامی کا شکار ہوں گے۔ اس بنیادی قانونِ فطرت کو

چوتھا درجۂ ہدایت ہے، جسے قرآن وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے اور اسے ربوبیت الٰہی کی سب سے بڑی بخشش و مرحمت قرار دیتا ہے۔ یہی وہ خاص ہدایت ہے، جسے قرآن "الہدیٰ" کے نام سے پکارتا ہے یعنی ہدایت کی ایک ہی اور حقیقی راہ۔ اسی عالمگیر ہدایت وحی کو وہ "الدین" کے نام سے پکارتا ہے یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین اور اسی کا نام اس کی زبان میں "الاسلام" ہے۔

گروہ بندی نہیں، عقیدہ عمل

اس سلسلے میں مولانا نے وحدتِ دین کی اصل عظیم اور قرآن حکیم نیز "الدین" اور "الشرع" کے زیرِ عنوان مفصل بحثیں کی ہیں، جن کی تفصیل یہاں پیش نہیں کی جا سکتی، البتہ ایک بنیادی امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ مقصود حقیقی صحت عقیدہ اور حسن عمل ہے، کسی خاص گروہ، خاص جماعت یا خاص جتھے میں شامل ہو جانا اور صرف اس شمول پر قناعت کر لینا ہرگز مفید نہیں۔ دین کی اصل راہ وحدت و اخوت ہے نہ کہ تفرقہ و منافرت۔ قرآن نے اس سلسلے میں جن مہمات پر زور دیا، ان میں تین باتیں سب سے نمایاں ہیں :

۱۔ انسان کی نجات و سعادت کا انحصار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔

۲۔ نوع انسانی کے لیے دین الٰہی ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پیروان مذاہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کر کے بہت سے متخالف و متصادم جتھے بنا لیے ہیں۔ یہ صریح گمراہی ہے۔

۳۔ اصل دین توحید ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی براہِ راست پرستش اور تمام بانیانِ مذاہب نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اس کے خلاف جس کے عقائد و اعمال اختیار کر لیے گئے، اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

مذہبی گروہ بندی کی رسموں میں سے اصطباغ کی رسم مسیحی کلیسا نے اختیار کی۔ یہ دراصل ایک یہودی رسم تھی جو اس وقت ادا کی جاتی تھی، جب لوگ گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ مسیحیوں نے اسے انسانی نجات و سعادت کی بنیاد سمجھ لیا۔ قرآن بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے۔ ہر انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جو اس کے عمل کی کمائی ہے۔ یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ افراد ہو چکے ہیں یا وہ نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتۂ قدامت رکھتا ہے، نجات و سعادت کے لیے کچھ سود مند نہیں۔

کامیابی اور فلاح کی راہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، صراطِ مستقیم سے مراد سیدھا راستہ ہے۔ یہی اللہ کا راستہ ہے یعنی سعادت کا وہ راستہ جو خدا نے ٹھہرا دیا۔ عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے "صراطِ مستقیم" سے بہتر تعبیر کوئی نہیں ہو سکتی۔ کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لی جائیں، سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہو گی اور یہی راہ یقیناً شاہراہ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر منزلِ مقصود کا سراغ چاہتے ہو تو اسی صراطِ مستقیم پر اکٹھے ہو جاؤ۔ یہ راہ سیدھی بھی ہے، آسان بھی

گروہ میں رسول مبعوث ہوئے۔ اس کے بغیر کسی گروہ کو اعمال بد کے لیے جوابدہ ٹھہرانا عدلِ الٰہی کے خلاف تھا۔ قرآن مجید نے ان میں سے بعض دعوتوں کا ذکر کیا اور بعض کا نہ کیا۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ ہدایت کی راہ صرف ایک تھی اور ایک ہی رہی۔ تمام پیغمبر خدا کے ایک ہی عالمگیر قانون سعادت کی تعلیم دینے والے تھے اور یہ قانون ایمان و عمل صالح کا قانون تھا، یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی کا قانون۔ قرآن نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ہر داعی حق تمام انسانوں کو ایک دین پر اکٹھا رہنے کی دعوت دیتا اور تفرقہ و اختلاف سے بچنے کی تلقین کرتا رہا۔

مولاناؒ فرماتے ہیں: قرآن کی تعلیم یہ تھی کہ تم سب کو ایک لباس انسانیت دیا گیا تھا۔ تم نے طرح طرح کے بھیس اختیار کر لیے اور انسانیت بے شمار ٹکڑوں میں بٹ گئی:

> "تمہاری نسلیں بہت سی ہیں اس لیے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہو۔ تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں، اس لیے اختلافِ وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو۔ تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں، اس لیے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریباں ہو رہی ہے۔ تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت و عناد کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بہت بڑی حجت بن گئی ہیں۔ پھر ان کے علاوہ امیر و فقیر، نوکر و آقا، وضیع و شریف، ضعیف و قوی، ادنیٰ و اعلیٰ بے شمار اختلافات پیدا کر لیے گئے ہیں اور سب کا منشا یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو۔ ایسی حالت میں بتاؤ، وہ رشتہ کون سا ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انسانیت کا بکھرا ہوا گھرانا از سر نو آباد ہو جائے؟ وہ کہتا ہے۔ صرف ایک رشتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تمہاری کوئی نسل ہو، کوئی وطن ہو، کوئی قومیت ہو، تم کسی درجے میں اور کسی حلقے کے انسان ہو، لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا۔ تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے۔ تم محسوس کرو گے کہ دنیا تمہارا وطن ہے۔ نسلِ انسانی تمہارا گھرانا ہے اور تم سب ایک ہی رب العالمین کے عیال ہو۔[1]

الدّین اور التّشرّع

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین ایک ہے تو مذاہب میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیوں تمام مذہبوں میں ایک ہی طرح کے احکام و اعمال، رسوم و ظواہر اور طریق عبادات نہ ہوئے؟ قرآن کہتا ہے کہ مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے، ایک وہ جو پیروان مذاہب نے مذہب کی حقیقی

---

[1] "ترجمان" جلد اول ص ۱۸۴

بھی سورۂ فاتحہ میں پیش کر دیا گیا۔ انعام یافتہ گروہ وہی ہیں، جنھیں کامیابی ہوئی اور مغضوب و گمراہ وہی ہیں جنھیں آخر ناکامی سے سابقہ پڑا۔ گویا قرآن کے تمام قصص و وقائع سورۂ فاتحہ کے اسی بیان کی تفصیل ہیں۔

وحدت دین کی اصل عظیم

قرآن مجید کہتا ہے کہ وحی الٰہی کی عالم گیر ہدایت ایک ہے، جو پہلے دن سے موجود ہے اور بلا تفریق و امتیاز پوری نوع انسانی کے لیے ہے۔ خدا نے وجدان، حواس اور عقل کی ہدایت میں نسل و قوم یا زمان و مکان کا کوئی امتیاز نہ رکھا۔ ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے۔ وہ سب کے لیے ہے اور سب کو دی گئی۔ اس ایک ہدایت کے سوا انسان نے جو ہدایتیں بنائیں، وہ اس کی اپنی ہیں، خدا کی ٹھہرائی ہوئی نہیں۔

یہ اصل عظیم قرآنی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے۔ وہ جو کچھ بتانا چاہتا ہے، تمام تر اسی پر مبنی ہے۔ اگر اس اصل سے قطع نظر کر لیا جائے تو اس کا پورا کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"تاریخ عالم کے عجائب تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ جس درجہ قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا، اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا، حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے آج قرآن کی کوئی بھی بات دنیا کی نظروں سے اس درجہ پوشیدہ نہیں جس قدر یہ اصل عظیم۔ اگر ایک شخص ہر طرح کے خارجی اثرات سے خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے اور اس کے صفحات میں جا بجا اس اصلِ عظیم کے قطعی اور واضح اعلانات پڑھے، پھر دنیا کی طرف نظر اٹھائے جو قرآن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتی کہ بہت سی مذہبی گروہ بندیوں کی طرح وہ بھی ایک مذہبی گروہ بندی ہے تو یقیناً وہ حیران ہو کر پکار اٹھے گا۔ یا تو اس کی نگاہیں اسے دھوکا دے رہی ہیں یا دنیا ہمیشہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اپنے فیصلے صادر کر دیا کرتی ہے"[1]

جمعیت بشری میں ہدایت وحی کا ظہور

ضروری ہے کہ معلوم کر لیا جائے، قرآن کی دعوت کیا ہے اور وہ نوع انسانی کو کس راہ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ ابتداء میں لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں اختلاف و مخاصمت کا کوئی سبب موجود نہ تھا، جب نسل انسانی کی کثرت ہوئی تو ضروریات معیشت کے سلسلے میں طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے اور معمولی اختلافات نے پہلے انقطاع، پھر ظلم و فساد کی صورت اختیار کر لی۔ یہی موقع تھا، جب نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہوئی اور خدا کے رسولوں کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ قرآنی شہادتوں سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔

قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کی ہدایت کسی خاص ملک و قوم یا عہد سے مخصوص نہ تھی، بلکہ عام تھی۔ ہر انسانی

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۸۱

متفق ہیں، دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال ہیں۔ میں معروف کا حکم دیتا ہوں، منکر سے روکتا ہوں۔ جب میری دعوت کا یہ حال ہے تو پھر کسی بھی انسان کو، جسے راستبازی سے اختلاف نہیں، کیوں مجھ سے اختلاف ہو[1]"

الدّین القیم اور فطرت اللہ

یہی نوعِ انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہُوا فطری دین ہے اور قوانینِ فطرت میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی"۔ یہی الدّین القیّم ہے، یعنی سیدھا اور درست دین، جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں۔ یہی دینِ حنیف ہے، جس کی دعوت حضرت ابراہیمؑ نے دی تھی، اسی کا نام "الاسلام" ہے، یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرمانبرداری۔

قرآن اور اس کے مخالفوں میں بناءِ نزاع یہ نہیں کہ کسی داعیٔ حق یا رہنما کو قرآن نے جھٹلایا یا کسی مقدس کتاب سے انکار کیا یا دین کے نام سے کوئی ایسی بات کہہ دی، جو پیروانِ مذاہب کے لیے نئی تھی۔ اس نے تمام پیغمبروں کی تصدیق کی۔ تمام مقدس کتابوں کی تصدیق کی۔ بناءِ نزاع یہ نہ تھی، یہ تھی کہ ان سب کو جھٹلایا کیوں نہیں گیا؟ ہر مذہب کا پیرو یہی چاہتا تھا کہ قرآن صرف اسے سچا کہے، باقی سب کو جھٹلائے۔ یہودی صرف حضرت موسیٰؑ اور تورات کی، نصاریٰ صرف حضرت مسیحؑ اور انجیل کی تصدیق چاہتے تھے۔ قریشِ مکہ کی خواہش یہ تھی کہ صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے۔

نزاع کی تین بنیادیں

تین بنیادیں تھیں، جو قرآن اور تمام پیروانِ مذاہب میں بناءِ نزاع بن گئیں:

۱۔ قرآن مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا اور وحدتِ دین کا اعلان کرتا تھا۔

۲۔ قرآن کہتا تھا کہ نجات و سعادت کا انحصار اعتقاد و عمل پر ہے نہ کہ نسل، قوم، گروہ بندی اور ظاہری رسوم پر۔

۳۔ قرآن کہتا تھا، اصل دین خدا پرستی ہے اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہِ راست پرستش کی جائے لیکن پیروانِ مذاہب نے کسی نہ کسی شکل میں شرک و بت پرستی کے طریقے اختیار کر لیے تھے۔

"ترجمان القرآن" میں یہ حقیقت پہلی مرتبہ تفصیل سے بیان ہوئی تو مختلف اصحاب کے لیے موجبِ تشویش بنی۔ ان میں خود میں بھی شامل تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اس کے متعلق مولاناؒ کی خدمت میں گزارش کی تو انھوں نے مفصل جواب لکھا۔ اس میں فرمایا:

"غالباً یہ اشتباہ اس لیے ہُوا کہ کتب توحید و عقائد پیشِ نظر نہیں، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، جو میں نے لکھی ہے۔ تیرہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا متفقہ اعتقاد یہی ہے کہ اصل دین توحید ہے اور تمام انبیاء اسی کی دعوت و تلقین کے لیے مبعوث ہوئے[2]"

---

[1] "ترجمان" جلد اول ص ۲۰۶، ۲۰۷ [2] "نقشِ آزاد" ص ۹۴

تعلیم سے منحرف ہوکر پیدا کر لیا۔ یہ پیروان مذاہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی ایک خاص شکل اختیار کی گئی دوسرے میں کوئی دوسری شکل۔ یہ اصل وحقیقت کا اختلاف نہیں، محض فروع وظواہر کا اختلاف ہے۔ پہلی چیز کو "دین" کہا گیا ہے، دوسری کو شرع، نسک اور منہاج۔ دوسری چیز میں اختلاف اس لیے ہوا کہ انسانی جمعیت کے احوال وظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے، نیز معاشرتی اور ذہنی استعداد بھی بدلتی رہی۔ تاہم اس وجہ سے دین کی وحدت، جو اصل واساس ہے، فراموش نہ ہونی چاہیئے۔

قرآن کی دعوت

قرآنی دعوت کی پہلی بنیاد یہی ہے کہ تمام داعیان حق کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے۔ وہ سب سچائی کی تعلیم دینے والے تھے اور سب نے ایک ہی اصل وقانون کی تعلیم دی۔ خدا کے رسولوں میں بہ اعتبار تصدیق تفرقہ و امتیاز قرآن کے نزدیک بہت بڑی گمراہی ہے۔ ہر راستباز انسان کا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کہے، سچائی جہاں کہیں بھی ظاہر ہوئی اور جس کی زبان سے بھی ظاہر ہوئی۔ سچائی ہے اور اس پر میرا ایمان ہے۔ خدا ایک ہے، اس کی سچائی ایک ہے۔ لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں نے پہنچایا۔ اگر ایک کی تصدیق کرتے ہو، دوسرے کا انکار تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک حقیقت کو مانتے بھی ہو اور رد بھی کہتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ماننا، ماننا نہیں بلکہ زیادہ بری قسم کا انکار ہے۔

المعروف اور المنکر

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نیکی کے لیے "معروف" اور برائی کے لیے "منکر" کے لفظ اختیار کیے۔ فرماتے ہیں:

"معروف عرف سے ہے جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ پس معروف وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی بات ہو۔ "منکر" کے معنی انکار کرنے کے ہیں، یعنی ایسی بات جس سے عام طور پر انکار کیا گیا ہو۔ پس قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ اس بنا پر اختیار کیے کہ دنیا میں عقائد وانکار کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے برا ہونے پر سب متفق ہیں۔ مثلاً اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے، جھوٹ بولنا برا ہے۔ دیانت داری اچھی بات ہے، بددیانتی برائی ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت، ہمسایے سے سلوک، مسکینوں کی خبر گیری، مظلوم کی دادرسی، انسان کے اچھے اعمال ہیں اور ظلم وبدسلوکی برے اعمال ہیں۔ گویا یہ وہ باتیں ہوئیں جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے۔ قرآن کہتا ہے، یہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوعِ انسانی نے جانی بوجھی ہے، دین الٰہی کے مطلوب اعمال ہیں۔ اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا اور جن کی برائی پر تمام مذاہب

"اسلام کی ان تلقینات میں سے، جن کے تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو، جو حضرت خاتم نبوتؐ سے پہلے پیدا ہوئے، یکساں صداقت کے ساتھ تسلیم کرے۔ ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید[1] ہے۔"

مولانا موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ قرآن اگر اتنا ہی کہتا: "میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں" تو یہ کوئی اہم بات نہ ہوتی۔ اس نے عقائد کی اس دفعہ میں بھی تکمیلی پہلو پیشِ نظر رکھا اور ضروری قرار دیا:

"اہلِ قرآن، قرآن کے ساتھ دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں، یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک صحیفۂ محمدیؐ کے ساتھ ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی منجانب اللہ تسلیم نہ کرے[2]۔"

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو، محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم یہ ہے:

"آدم سے لے کر محمد علیہ السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے، وہ سب ایک تھے۔ اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے، جو آدمؑ سے محمدؐ علیہما السلام تک باری باری پیغمبروں کے ذریعے سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی[3]۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے:

دینِ الٰہی کی وحدت صحیفۂ محمدیؐ (قرآن) نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کیے ہیں، ایک دین، دوسرا شرعۃ، منسک اور منہاج۔ شرعۃ اور منہاج کے معنی راستے کے ہیں اور منسک کے معنی طریقِ عبادت کے۔ دنیا میں یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم کے قلبِ پاک پر منکشف ہوا کہ دینِ الٰہی ہمیشہ سے ایک تھا، ایک رہا اور ایک رہے گا۔ نورِ معرفت ایک ہے، خواہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قندیلوں میں روشن ہو۔ اصل دین میں عام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی۔ ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے۔ اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہ تھا اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف پیدا ہوا۔ وہ ہر زمانے اور ہر مقام میں یکساں آیا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی[4]۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:

---

[1] سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۵۹۱ [2] ایضاً ص ۵۹۵ [3] ایضاً ص ۶۰۱ - ۶۰۲ [4] ایضاً ص ۶۰۲

شرع و منہاج کا معاملہ

پھر فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ جملہ پڑھے گا، وہ تفسیر فاتحہ کے ان تمام مقامات پر بھی نظر ڈالے گا، جہاں تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ قرآن کے نزدیک نہ صرف انبیاء پر ایمان نہ لانا کفر ہے، بلکہ کسی ایک بھی رسول سے انکار کفر ہے۔ پھر "ترجمان" میں بقرہ، عمران، نساء، مائدہ، انعام کے نوٹ، ہیں، ان میں بے شمار آیات ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب کے بارے میں موجود ہیں نیز ان کی تشریحات ہیں۔ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی مفہوم و معنی کے ہے؟

اس سلسلے میں ایک سوال باقی تھا اور وہ شرع و منہاج کا تھا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ قرآن کی یہ تصریحات گزشتہ کی نسبت ہیں، نہ کہ آئندہ کی نسبت۔ آئندہ کے لیے اس کا اعلان معلوم ہے کہ نعمت تمام ہو چکی اور یہ اتمام نہ صرف اصل دین میں بلکہ شرع و منہاج میں بھی ہے اور اتمام و اکمال کے بعد مزید تکمیل کی گنجائش نہیں۔

> "یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہر طالب حق پر واضح کریں کہ اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی اور وہ تمام پچھلی دعوت کا جامع و مشترک خلاصہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح شرع و منہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے اور وہ تمام پچھلے شرائع کے مقاصد و عناصر پر حاوی ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل تفسیر سورۂ فاتحہ یا سورۂ بقرہ نہیں، سورۂ احزاب ہے۔ مصنف پورے قرآن کی تفسیر لکھ رہا ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سو تیرہ سورتیں اور بھی مع اپنے مقاصد و مطالب کے آنے والی ہیں"[1]

سیرۃ النبیؐ کے اقتباسات

غرض اس بارے میں تشویش کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی تھی، لیکن بعض سیاسی معاملات میں مولاناؒ سے اختلاف کی بنا پر بعض تنگ حوصلہ اور کوتاہ نظر اصحاب کی تسلی نہ ہوئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ قرآن مجید کی اس اصل عظیم کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ مولاناؒ کے سیاسی افکار کا اثر ہے۔ میں اس بے بنیاد بلکہ معاندانہ نقطۂ نگاہ کے باب میں کیا عرض کروں؟ جن لوگوں کا علم، دین کے حقیقی ماخذ پر مبنی نہیں بلکہ ان کے بعض مخصوص سیاسی افکار کا پرتو ہے، ان کی اوہام طرازیوں کے ازالہ میں وقت صرف کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ لیکن صرف "سیرۃ النبیؐ" سے چند اقتباسات پیش کر دینا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مولاناؒ نے جو کچھ فرمایا، مولانا سید سلیمان مرحوم کا عقیدہ بھی وہی تھا۔

مولانا سید سلیمان فرماتے ہیں: "تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں میں بھی آنحضرتؐ سے پہلے خدا کے انبیاءؑ مبعوث ہو چکے ہیں۔ قرآن نے انبیاءؑ کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی تصریح ہوئی، دوسرے وہ، جن کے نام مذکور نہیں۔ آخری قسم کے انبیاءؑ کی پہچان کا اصول قرآن نے یہ مقرر کیا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی۔

---

[1] "نقش آزاد" ص ۵۰

یادب گئی تھی۔ اگر فرق ہے تو اجمال وتفصیل یا نقص وتکمیل کا کہ اسلام گزشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہے۔[1]

ہماری حالت غرض مولاناؒ نے "ترجمان القرآن" میں جو اصل دین پیش کی تھی، وہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہ تھی بلکہ تمام اہل علم کا عقیدہ وہی تھا اور قرآن کی دعوت بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی، البتہ جن لوگوں کے پیش نظر حقیقی دین ہے نہ قرآن کی دعوت اور نہ وہ قرآن کو پورے عالم انسانیت تک پہنچانے کی کوئی تڑپ اپنے اندر رکھتے ہیں، وہ دین کی اس اصل عظیم کی طرف آ ہی نہیں سکتے۔ ان کا نقطۂ نگاہ تحزّب اور گروہ بندی سے ملوث ہے۔ جب تک تحزب موجود ہے، اسلام کی بنیادی حقیقت اور ہدایت حق کا اساسی نقشہ ذہنوں میں سما ہی نہیں سکتا۔ ہم نے تو قرآنی دعوت کے وہ بنیادی عالمی اور آفاقی جوہر ہی گم کر دیے جو پورے عالم انسانیت کو راہ حق کی طرف کھینچنے اور سب کو صراط مستقیم پر لگانے کے ضامن تھے، بلکہ اپنے گرد و پیش دیواریں کھینچ لیں ظاہر ہے، اس حالت میں اس قدوسی روشنی کی کرنیں باہر جا سکتی ہیں جو خدا نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہمیں عطا کی تھی اور وہی ذات قدسی صفات تھی جس پر دین کی نعمت پوری ہوئی ورنہ یہ ممکن ہے کہ دوسروں کے قلوب و اذہان اس نور حق سے منور ہو سکیں۔

فاتحہ کی تعلیمی روح آخر میں مولاناؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں فاتحہ کی تعلیمی روح پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں: فرض کرو ایک انسان کے دل و زبان سے، شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے، اس صورت میں اس کے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

"وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے، لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں، جو نسلوں، قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے، بلکہ رب العالمین کی حمد میں، جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے۔ پھر وہ اسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے، لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں۔ گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لیے سرتاسر رحمت و عدالت کی نمود ہے اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے، وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں۔"

پھر وہ اپنا سر نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "محض تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے اور محض تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے۔" اب کسی چوکھٹ پر اس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اب کوئی قوت اسے ہراساں نہیں کر سکتی۔ اب کسی کے آگے اس کا دست طلب دراز نہیں ہو سکتا

---

[1] سیرۃ النبی ص ۲۰۰

مذہب کے اصل اصول یہ ہیں : خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کے صفاتِ کاملہ، انبیاء و مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق فاضلہ، اچھے برے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا۔ یہ تمام مذاہب کے بنیادی امور ہیں۔ اگر ان میں سے کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے یا باہر سے آکر اس تعلیم میں کوئی نقص شامل ہو گیا ہے۔[1]

مزید لکھتے ہیں کہ جس شے کو آنحضرت صلعم کی زبان وحی ترجمان نے شرعہ، منہاج اور منسک فرمایا ؛

وہ جزئیات احکام اور متفقہ مقصد کے حصول کے جدا جدا راستے ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا۔[2]

گمشدہ صدائے حق کی تکرار

وحدت دین کی حقیقت کے سلسلے میں سورۂ شوریٰ کا ایک ٹکڑا نقل کر کے فرماتے ہیں :

"ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہی ایک دین ہے، جو نوحؑ کو ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور تم کو اے محمدؐ (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے۔ اگلوں کے بعد پچھلوں نے ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے اس میں تفرقے پیدا کیے اور آپس کی ضد اور تعصبات سے فرقہ داری کی الگ الگ راہیں نکالیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدتِ دین کی حقیقت کا یقین اہل کتاب کو نہیں، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! تم اس حقیقت کی طرف لوگوں کو بلاؤ اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعوے پر قائم رہو اور یہ اعلان کر دو کہ میرا مسلک یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہے، میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم اے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہو تمہارے ساتھ انصاف کروں یعنی جس میں جو سچائی ہے اس کو قبول کروں یا معاملات میں تمہارے ساتھ عدل و انصاف کروں۔ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دو نہیں۔ اگر اتحاد چاہو تو اس نقطے پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں[3]

پھر سورہ اعلیٰ، سورۂ شعراء اور سورہ حٰم السجدہ کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

محمدؐ رسول اللہ صلعم سے وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا۔ ان معنوں میں قرآن کوئی نئی دعوت لے کر نہیں آیا بلکہ یہ اسی پرانی دعوت کی تکرار ہے، جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۶۲۲ آخری فقرے کے سلسلے میں "ترجمان" کی یہ تحریر پیش نظر رکھیے کہ مذاہب کا اختلاف یا تو پیروان مذہب کی گمراہی کا نتیجہ تھا۔ یا انسانی جمعیتوں کے احوال و ظروف کے مطابق۔ سوم وظواہر میں اختلاف ہوا نہ کہ دین میں یہ آخری بات مولانا سید سلیمان نے بھی واضح طریق پر ارشاد فرمائی۔ [2] ایضاً ۶۰۲-۶۰۳
[3] سیرۃ النبی ص- ۶۰۵ - ۶۰۶ -

سامنے آگئی ہے اور ایک خاص نتیجے پر ہم پہنچ گئے ہیں۔ اس پر مضبوطی سے جمے رہنے میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ ہماری طرح کسی دوسرے شخص کو بھی ایک خاص روشنی مل گئی ہے اور وہ بھی ایک خاص نتیجے پر پہنچ گیا ہے آیا ہماری طرح اسے اپنی راہ چلنے کا حق ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے۔ یہ رواداری کا صحیح محل ہے، لیکن اگر رواداری خود ہمارے اعتقاد و عمل پر اثر انداز ہوگی تو یہ رواداری نہ ہوگی، اعتقاد کی کمزوری اور یقین کی ناپائداری ہوگی۔

مفاہمت زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، لیکن ہر راہ کی طرح اس میں بھی حد بندی لازم ہے اور ہم اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ دوسروں کے عقائد کا احترام یقیناً کرنا چاہیے، لیکن اپنے عقیدے کی جڑیں ہلنے کا موقع نہ آنے دینا چاہیے۔ عالم انسانیت کی بیشتر مصیبتیں صرف اس لیے پیدا ہوئیں کہ رواداری کی حد ملحوظ نہ رکھی گئی۔ حد سے آگے بڑھے تو دوسروں کے اعتقاد و عمل میں جبراً مداخلت کا دروازہ کھل گیا۔ حد سے پیچھے ہٹے تو اپنی فکر و رائے کے لیے استقامت کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ تاریخ کی جن جن خونچکاں داستانوں کا ہم ماتم کرتے ہیں، وہ اسی بے اعتدالی اور حد ناشناسی کا نتیجہ ہیں۔ سمجھنے سے گریزاں رہے تو علم و عقل کی جگہ جہل و وہم نے لے لی اور دوسروں کے لیے مصیبت بن گئے یا اپنے یقین و وثوق کو وہم پرستی کے گرد و غبار میں چھپا دیا۔

"ترجمان القرآن" کے نوٹ

جس حد تک تفسیر کے نمونے کا تعلق تھا، اس کا سرسری نقشہ سورۂ فاتحہ کے مباحث میں پیش ہو چکا۔ میں چاہتا تھا کہ تفسیر کے دوسرے نمونے یعنی ذوالقرنین کے ذکر کا ملخص بھی پیش کر دیتا، لیکن سوچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ تلخیص چنداں سودمند نہ ہوگی اور تفصیل سے کام لیا گیا تو مقدمے میں پچاس ساٹھ صفحے کا اضافہ ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ خوانندگان کرام یہ ذکر خود "ترجمان" کی دوسری جلد میں بہ سلسلۂ حواشیِ سورۂ کہف نیز بہ سلسلۂ حواشی سورۂ انبیاء ملاحظہ فرمائیں۔ میں صرف "ترجمان" کے بعض خاص مباحث کا سرسری خاکہ پیش کر دینے پر اکتفا کروں گا۔

مترجمین قرآن کا عام دستور یہ تھا کہ وہ آیات کے مطالب اردو میں منتقل کرتے تھے، ساتھ ساتھ حاشیے پر بعض ضروری مطالب کی تشریح فرما دیتے تھے، جنھیں عموماً "فوائد" کا نام دیا جاتا تھا۔ مولانا نے اس کے بجائے حواشی کا طریقہ اختیار کیا، یعنی ترجمے کے ساتھ ساتھ ہر ضروری مقام پر وہ ذرا خفی عبارت میں تشریحات لکھتے گئے، جو مختلف آیات کے ضروری نکات پر مشتمل تھیں۔ انھیں تفسیر نہیں کہا جا سکتا، ترجمے اور تفسیر کے درمیان کی چیز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر خوانندۂ "ترجمان" غور و توجہ سے کام لے تو یہ تشریحات اسے بڑی حد تک تفسیر سے بے نیاز کر سکتی ہیں یا کم از کم ان سوالات کا جواب بن سکتی ہیں جو مطالعۂ ترجمہ کے دوران میں اس کے

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک مدعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے۔ لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقے کی سیدھی راہ؟ نہیں وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راستباز انسانوں کی متفقہ راہ ہے خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے۔ یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم اور کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا۔ گویا جس بات کا طلب گار ہے، وہ بھی نوعِ انسانی کی عالم گیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے وہ بھی نوعِ انسانی کی عالمگیر برائی ہے۔

غور کرو، مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن و عواطف کے لیے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا، وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے، ایک یہ کہ خدا پرستی خدا کی عالمگیر رحمت کے تصور کی خدا پرستی ہوگی، دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی وہ نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہ ہوگا۔ عالم گیر انسانیت کا انسان ہوگا اور دعوتِ قرآنی کی اصلی روح یہی ہے۔[1]

رواداری کے حدود

اس سلسلے میں رواداری کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس کے حدود کیا ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حقائق زندگی کے تقاضوں کا حال عجیب ہے۔ یہاں ہم کسی ایک گوشے کے ہو کر نہیں رہ سکتے، دوسرے گوشوں کی بھی خبر رکھنی پڑتی ہے۔ فکر و عمل کی راہ اتنی ہموار چلی گئی ہے کہ کہیں نہ کہیں حد بندی کی لکیریں کھینچنا لازم ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو علم و اخلاق کے تمام احکام متزلزل ہو جائیں۔

"رواداری یقیناً ایک خوبی کی بات ہے، لیکن ساتھ ہی عقیدے کی مضبوطی، رائے کی پختگی اور استقامت فکر کی خوبیوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہاں حد بندی کا کوئی نہ کوئی خط ضرور ہونا چاہیے، جو ان تمام خوبیوں کو اپنی اپنی جگہ رکھے۔ اخلاق کے تمام احکام انھیں حد بندیوں کے خطوط سے بنتے اور ابھرتے ہیں۔ جونہی یہ ہلنے لگتے ہیں۔ اخلاق کی پوری دیوار ہل جاتی ہے"[2]

پھر مثالیں دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عفو و درگزر حسن و خوبی ہے، لیکن حد سے گزر جائے تو بزدلی اور بے حمیتی بن جاتا ہے۔ شجاعت انسانی سیرت کا سب سے بڑا وصف ہے، مگر حد سے گزر جائے تو اس کا صرف حکم ہی نہیں، صورت بھی بدل جائے گی، یعنی یہ قہر و غضب اور ظلم و تشدد ہو جائے گا۔

دو حالتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا: ایک حالت یہ کہ کسی خاص اعتقاد و عمل کی روشنی ہمارے

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ۲۴۳-۲۴۴ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۶۸

اس امر کی ہے کہ مطالعے کے وقت غور و فکر کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے[1]۔

ایمان و عمل

سورۂ بقرہ میں یہودیوں کی گمراہیوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ مثلاً فرعون کے ظلم سے نجات پانے کے بعد انھیں گوسالہ پرستی میں تامل نہ ہوا۔ ان کے دلوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا۔ انھوں نے خدا کی نعمتوں کا کفران کیا۔ فتح کامرانی عطا ہوئی تو بندگی و نیاز کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہو گئے۔ محکومی و غلامی سے ان کے اخلاق اس درجہ پست ہو چکے تھے کہ بلند مقاصد کے لیے کوئی جوش و عزم باقی نہ رہا تھا۔ وہ شریعت کے احکام پر اخلاص سے عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ ان سے بچنے کے لیے طرح طرح کے شرعی حیلے گھڑتے تھے۔ احکام حق کی فرمانبرداری کی جگہ ردّ و کد اور بے ضرورت باریک بینیاں اور دقیقہ سنجیاں اختیار کر لی تھیں۔ قتلِ نفس میں بڑے بیباک ہو گئے تھے۔ ان کے علما حق فروش تھے، عوام کا سرمایۂ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے ولولوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ بہ ایں ہمہ وہ اپنے آپ کو نجات یافتہ امّت سمجھتے تھے اور کہتے تھے، یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی یہودی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے:

"قرآن ان کے اس زعم باطل کا ردّ کرتا ہے اور کہتا ہے، جنّت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بنا پر نہیں کہ کسی خاص قوم کے لیے جنّت ہو اور باقی کے لیے دوزخ، بلکہ اس کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے۔ جس انسان نے بھی اپنے اعمال کے ذریعے سے برائی کمائی، اس کے لیے برائی یعنی عذاب ہے اور جس کسی نے بھی اپنے اعمال کے ذریعے سے اچھائی کمائی، اس کے لیے اچھائی یعنی نجات ہے، خواہ وہ کوئی ہو اور کسی گروہ بندی کا ہو"[2]

قانونِ الٰہی

پارہ الم میں ایک آیت دہرائی گئی ہے، اول ۱۳۴، دوم ۱۴۱ یعنی:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ایک امّت تھی، جو گزر چکی۔ اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا۔ تمھارے لیے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ ان کے اعمال کیسے تھے۔

اس کے سلسلے میں مندرجۂ ذیل نوٹ تحریر فرمایا:

"قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی پیش آتا ہے جو اس نے اپنے عمل سے کمایا ہے۔ نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے، نہ ایک کی بدعملی کے لیے دوسرا جوابدہ ہو سکتا ہے۔ انسان کے لیے قدامت پرستی کا پھندا بڑا ہی سخت پھندا ہے۔ اس کے پیچ سے وہ نکل نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ ماضی کے افسانوں میں گم رہے گا اور ہر پرانے طور طریقے کو تقدیس کی نظر سے دیکھیگا

---

[1] "ترجمان" جلد اول ص ۱۸۰۔ [2] "ترجمان" جلد اول ص ۱۴۲۔

سامنے آئیں گے اور جب تک تشفی بخش جواب نہ ملے گا۔ اس کی طبیعت مطمئن نہ ہو گی۔ خود مولاناؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ تشریحات یا نوٹ:

"سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں۔ اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں۔ مقاصد و وجوہ سے پردے اٹھاتے ہیں۔ دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں۔ احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں"۔[1]

جامعیت کی ایک مثال

پھر نوٹوں کی مقدار محدود ہی رکھی جا سکتی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ مہمات واضح ہو جائیں اور کوئی مقام تشنہ نہ رہے۔ الفاظ بیشک کم ہوں، لیکن ارشادات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے جائیں۔ نوٹوں کے متعلق مولاناؒ کے الفاظ یہ ہیں: لوگ جس چیز کی کمی پائیں گے، وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے، نفسِ مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہو گی۔ ان کے ہر لفظ اور ہر جملے پر جس قدر غور کیا جائے گا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔

پھر خود ہی ایک مثال دے دی۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۶ کے ساتھ عدتِ طلاق پر ایک نوٹ ہے:

"طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفظ اور عورت کے نکاحِ ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا"۔[2]

یہ نہایت مختصر جملہ ہے، لیکن اس میں عدت کی وہ تینوں مصلحتیں واضح کر دی گئی ہیں، جن میں سے ہر مصلحت کی الگ بحث تفسیر کے ایک پورے صفحے میں بہ مشکل آتی:

"نکاح کی اہمیت چاہتی تھی، یہ رشتہ ایسا بن کر نہ رہ جائے کہ ادھر ختم ہوا اور اُدھر از سرِ نو شروع ہو گیا۔ ہر دو رشتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ انتظار کی حالت ضرور ہونی چاہیے۔ نسب کا تحفظ بھی چاہتا تھا، اتنا وقفہ ضرور گزر جائے کہ حمل کا شبہ باقی نہ رہے۔ ساتھ ہی اس کی رعایت بھی ضروری تھی کہ عورت کے نکاحِ ثانی کے حقوق میں بیجا دست اندازی نہ ہو۔ پس قرآن نے ایک ایسی مدت ٹھہرا دی، جس سے ایک طرف تو پہلی اور دوسری مصلحت پوری ہو گئی، دوسری طرف تیسری مصلحت میں بھی خلل نہ پڑا کیونکہ ابتدائی دو مصلحتوں کے لیے کم سے کم مدت ہے، جو قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام تشریحات نوٹ میں نہیں آسکتی تھیں اور نہیں آئی ہیں، لیکن اصل مطلب پورا پورا آ گیا۔ ضرورت صرف

---

[1] "ترجمان" جلد اول ص ۱۰۔ [2] ایضاً ص ۲۸۳۔

وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتی۔

۲۔ راہِ حق میں موت، موت نہیں، سرتاسر زندگی و ہدایت ہے۔ پس موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کر لو۔[1]

دینداری اور دنیوی معیشت

حج کے سلسلے میں ارشاد ہوا: لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (اس میں تمھارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں، اگر اعمالِ حج کے ساتھ اپنے پروردگار کے فضل کی بھی تلاش میں رہو، یعنی کاروبارِ تجارت کا مشغلہ رکھو) اس پر نوٹ میں لکھتے ہیں:

"دینِ حق کی اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ خدا پرستی اور دینداری کی راہ دنیوی معیشت اور دنیوی فلاح و ترقی کے خلاف نہیں بلکہ وہ ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے، جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں۔ حج ایک عبادت ہے، لیکن اس کا عبادت ہونا اس سے مانع نہیں" کہ کاروبارِ دنیوی کا بھی فائدہ اٹھاؤ، مال و دولت اللہ کا فضل ہے پس چاہیے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں رہو۔

دین و دنیا کے معاملے میں دنیا کی عالم گیر گمراہی یہ ہے کہ یا تو افراط میں پڑ گئے ہیں یا تفریط میں اور راہ اعتدال گم ہو گئی، یعنی یا تو دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ آخرت سے یک قلم بے پروا ہو جاتے ہیں یا آخرت کے استغراق میں اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا دم بھرنے لگتے ہیں، لیکن دینِ حق کی راہ ہر گوشۂ عمل کے لیے یہاں بھی اعتدال کی راہ ہے اور صحیح زندگی اس کی زندگی ہے جو کہتا ہے: خدایا! میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں چاہتا ہوں (ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ

مرد اور عورت کے حقوق

سورۂ بقرہ میں جہاں طلاق کا ذکر آیا ہے، مولانا نے جو کچھ نوٹوں کی شکل میں تحریر فرمایا اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ ازدواجی زندگی کے لیے جن مضرتوں کا اندیشہ تھا یا عورتوں کی حق تلفی ہو سکتی تھی، اس کا انسداد۔

۲۔ جہاں تک عورتوں کے حقوق کا تعلق ہے، دینِ حق کی اس اصلِ عظیم کا اعلان کیا کہ جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی حقوق عورتوں کے مردوں پر بھی ہیں (ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف)

۳۔ طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ تین مجلسوں میں، تین مہینوں میں اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتۂ نکاح قطع کر دیتی ہے، تیسری مجلس تیسرے مہینے اور تیسری طلاق

---

[1] ترجمان القرآن، جلد اول ص ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۵

ہندو ہزاروں برس سے مہابھارت اور پرانوں کے افسانوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دو فرقے آج تک اس نزاع سے فارغ نہیں ہوئے کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے سقیفہ (بنو ساعدہ) میں خلافت کا جو انتخاب ہوا تھا، وہ صحیح تھا یا غلط، لیکن قرآن کہتا ہے "تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم" یہ ایک گروہ تھا، جو گزر چکا۔ اب اس کے پیچھے پڑے رہنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ تم اپنی خبر لو۔ ان کے اعمال ان کے لیے تھے تمہارے، تمہارے لیے ہیں[1]

پارہ سیقول کی ایک آیت ہے:

صبر اور نماز | یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا مسلمانو! صبر اور نماز کی معنوی قوتوں سے سہارا پکڑو۔ یقین کرو بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس سے پیشتر کعبے کی مرکزیت کا ذکر ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے کہ اپنی نعمت پیروان قرآن پر پوری کرے گا۔ رسول اللہ صلعم کی بعثت، تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کا ذکر ہے اور فرمایا گیا ہے کہ صرف میری یاد میں لگے رہو۔ میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا۔ مذکورہ بالا آیت کے بعد یہ ذکر ہے کہ راہ خدا کے مقتولوں کو مردہ نہ سمجھو۔ اس پر نوٹ ملاحظہ فرمائیے:

"کتاب و حکمت کی تعلیم، شخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت، مرکز ہدایت کا قیام اور نیک ترین امت ہونے کا نصب العین، یہی وہ بنیادی عناصر تھے، جن کی ضرورت موعودہ امت کے نشوونما کے لیے تھی۔ جب یہ مراتب ظہور میں آ گئے تو اب ضروری ہوا کہ پیروان دعوت قرآنی کو مخاطب کیا جائے اور سرگرم عمل ہو جانے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ "فاذکرونی اذکرکم" سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے:

چونکہ سرگرم عمل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہ عمل کی آزمائشیں اور مشکلیں پیش آئیں، اس لیے دعوتِ عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت اور جانفروشی و قربانی کی دعوت بھی دے دی گئی اور واضح کر دیا کہ اس راہ میں آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی ان اصول و مہمات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا، جن میں ثابت قدم ہو جانے کے بعد گمراہی و ناکامی سے قدم محفوظ ہو جا سکتے ہیں۔

۱۔ صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہو جائے۔ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت ملتی رہے۔ جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جائیں گی۔

---

[1] ترجمان جلد اول ص ۲۵۵۔

دیا ہے خود اسی بات کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے؟

سچائی روشنی ہے۔ اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے۔ اگر روشنی نمایاں ہو گئی تو پھر روشنی کو روشن دکھانے کے لیے اور کسی بات کی ضرورت نہیں۔ روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دور ہو جائے گی[۱]

تقویٰ کی تشریح

سورۂ بقرہ کے آخری نوٹس میں ایک مقام پر تقویٰ کی تشریح یوں نظر ملتی ہے کہ زندگی میں دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں۔ بعض محتاط ہوتے ہیں، بعض بے پروا۔ محتاط انسان ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ نیک و بد، نفع و نقصان اور نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں۔ اچھائی اختیار کر لیتے ہیں، برائی چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے برعکس بے پروا انسان کچھ خیال نہیں کرتے۔ جو راہ سامنے آ جائے، چل پڑیں گے۔ جس کام کا خیال پیدا ہو جائے، کر بیٹھیں گے۔ انھیں اچھائی برائی، نفع و نقصان کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔

"جس حالت کو ہم نے یہاں احتیاط سے تعبیر کیا ہے، اسی کو قرآن تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ متقی یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پروا نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے۔ برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے، اچھائی اور فائدے کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں"[۲]

اسی سلسلے میں ایک روایت بھی پیش کی ہے، یعنی حضرت عمرؓ نے ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کی حقیقت پوچھی تو انھوں نے کہا: کیا کبھی ایسے راستے پر نہیں چلے، جس پر کانٹے ہوں؟ حضرت عمرؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت ابیؓ نے پوچھا "ایسی حالت میں کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں۔ حضرت ابیؓ نے کہا: یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔"

معنی تسخیر

قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ تمھارے لیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، مسخر کر دیا یا شمس و قمر مسخر کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں، تسخیر کے معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح مطیع ہو جانا کہ جس طرح چاہیں، اس سے کام لیں۔ قرآن کے نزول سے پہلے اقوام عالم کی دینی ذہنیت عقلی امنگوں کے قطعاً خلاف تھی۔ قرآن نے نہ صرف عقلی امنگوں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ہمت عقل اور اولوالعزمی علم کے لیے ایک ایسا بلند نقشہ کھینچ دیا جس سے بلند آج بھی نہیں کھینچا جا سکتا، یعنی آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے

---

[۱] ترجمان القرآن، جلد اوّل ص ۲۹۵، ۲۹۶۔ [۲] ایضاً ص ۳۰۷، ۳۰۸

کے بعد وجود میں آتی ہے۔ پس نکاح کا رشتہ ایسی چیز نہیں کہ جب چاہا، بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا۔

۴۔ شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے یا دینا کیا ہے، طلاق دیتے وقت واپس لے لے، البتہ عورت کسی وجہ سے خود اپنا حق چھوڑ دے یا خلع کے سلسلے میں مہر سے دست بردار ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

۵۔ نکاح کا مقصد یہ نہیں کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں یا عورت کو مرد کی خود غرضانہ کا مجوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے بلکہ مقصود دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوشحال ازدواجی زندگی پیدا کرنا ہے۔ اس کے لیے محبت وساز گاری ہونی چاہیے اور خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات ادا کرنے چاہییں، ورنہ مقصود نکاح فوت ہو جائے گا۔ اگر یہ مقصود فوت ہو جانے کے باوجود علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو معاشرہ ازدواجی زندگی کی سعادت سے محروم ہو جاتا۔

۶۔ عورت کو یا تو بیوی کی طرح رکھنا چاہیے یا طلاق دے کر اس کی راہ کھول دینی چاہیے۔ بیچ میں لٹکائے نہ رکھنا چاہیئے۔

۷۔ مسلمانوں کو خصوصیت سے نصیحت کی گئی کہ اللہ نے تمھیں نیک ترین امت کا درجہ عطا فرمایا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم نے ہدایت وموعظت کے تمام پہلو واضح کر دیے ہیں۔ پس جماعتی شرف کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو اور ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ ہو۔ ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس جماعت کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں وہ کبھی فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی[1]

اس کے علاوہ بھی مسئلے کے متعدد پہلو ہیں، جن کے لیے اصل کتاب ملاحظہ فرمانی چاہیے۔

لا اکراہ فی الدین اس مشہور آیت کے متعلق فرماتے ہیں، دین حق کی ایک اصل عظیم یہ بھی ہے کہ دین و اعتقاد کے معاملے میں کسی طرح کا جبر جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد صرف دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ جبر سے:

"احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا کہ واضح ہو جائے، جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے، نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ دعوت ہے۔

قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم وتشدد کے ذریعے سے دین واعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا۔ پس جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۸۳ - ۲۸۵

حق پرستی حق کے لیے نہیں بلکہ محض ایک خاص شخصیت کے لیے تھی بفرض کرو، جنگ اُحد والی بات سچ ہوتی تو پھر کیا ان کی موت کے ساتھ تمھاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی؟ اگر تم حق کے لیے لڑ رہے تھے تو جس طرح وہ ان کی زندگی میں حق تھا، اسی طرح ان کے بعد بھی حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا[1]

غیب و شہادت اور محکمات و متشابہات | قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں:

ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے یعنی غیر محسوسات سے، ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے، یعنی محسوسات سے۔ محسوسات کے تعلق حواس انسان کا ذریعۂ عمل ہیں۔ خدا پرستی کی بنیاد یہ ہے کہ ان حقائق پر بھی یقین رکھا جائے جو اگرچہ غیر محسوس ہیں، لیکن وجدان ان کی شہادت دیتا ہے اور وحی نے ان کی خبر دی ہے۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ کا وجود، وحی و نبوت، مرنے کے بعد کی زندگی، عذاب و ثواب، دنیا کی ابتدائی پیدائش، عالم آخرت کے احوال و واردات۔ ہم اپنے وسائل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی روشنی ان کے بارے میں حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو بیان کر دیا ہے، اس پر ایمان لائیں۔

سورہ آل عمران میں مطالب قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، یعنی محکمات اور متشابہات۔ متشابہات سے مقصود وہی بیانات ہیں جن کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ علم کے پکے اور سمجھ کے سیدھے ہیں وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں۔ جو لوگ علم بصیرت سے محروم ہیں وہ ان میں کاوش کر کے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں۔

ہمارے لیے انھیں ہے چون و چرا تسلیم کر لینا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے۔ علم و ادراک ہمیں یقینی بصیرت بہم نہیں پہنچاتے۔ یقین کی صدا الہامی ہدایت کی صدا ہے۔ اگر اس سے انکار کر دیں تو ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ ان حقائق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا یا تو عدم علم کا اعتراف ہے یا انکار ہے، جس کی بنا ظن و تخمین ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ گمان و شرک، یقین و بصیرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کتنی ہی کاوش کی جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جو قرآن نے کہہ دیا۔[2]

جلد دوم | "ترجمان" جلد اوّل کی کیفیت اجمالاً پیش کر چکنے کے بعد جلد دوم کے بھی بعض پہلوؤں کی جھلک دکھا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت ہے کہ جلد دوم کے حواشی جلد اول کے مقابلے میں

[1] ترجمان القرآن، جلد اول ص ۲۴۴، ۲۴۲، ۲۴۳
[2] ایضاً ص ۳۰۰

انسان کے لیے مسخر ہے اور اسے چاہیے کہ ان تمام چیزوں میں تصرف کرے۔ انسانی عقل و فکر کے لیے اس سے زیادہ بلند نصب العین کیا ہو سکتا ہے ؟

"پھر غور کرو، تسخیر کا لفظ انسانی عقل کی حکمرانیوں کے لیے کس درجہ موزوں ہے۔ اس تسخیر کا قدیم منظر یہ تھا کہ انسان کا چھوٹا سا بچہ لکڑی کے دو گز تختے جوڑ کر سمندر کے سینے پر سوار ہو جاتا تھا اور نیا منظر یہ ہے کہ انسان آگ، پانی، ہوا، بجلی تمام عناصر پر حکمرانی کر رہا ہے۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جہاں کہیں اس تسخیر کا ذکر کیا ہے، اس کا تعلق صرف کرہ ارضی کی کائنات سے ہے یا آسمان کے ان مؤثرات سے، جنھیں ہم یہاں محسوس کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ تمام موجودات ہستی میں وہ اشرف و اعلیٰ مخلوق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری دنیا کائنات ہستی کے بے کنار سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں اور انسان کو جو کچھ بھی برتری حاصل ہے وہ اس دنیا کی مخلوقات ہی میں ہے"[1]

بنائے کار اصول و عقائد ہیں

سورہ آل عمران میں جہاں جنگ اُحد کا ذکر آیا ہے، وہاں ایک آیت میں فرمایا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ وفات پائیں یا کسی لڑائی میں قتل ہو جائیں تو کیا تم راہ حق سے الٹے پھر جاؤ گے ؟ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ جنگ اُحد میں ایک موقع پر ایسی افواہ اڑ گئی تھی اور بعض اصحاب اس سے متاثر ہوئے تھے۔

مولانا اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بنائے کار اصول و عقائد ہیں، نہ کہ شخصیت اور افراد کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑیں یا اس کے فرض میں کیوں کوتاہی کریں؟ سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے، یہ بات نہیں کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی، سچائی ہو گئی ہو۔

پھر اس سلسلے میں جنگ احد کے اسی واقعے کی مثال دی ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، یعنی رسول اللہ [illegible] بھی اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے۔

"پیغمبر اسلام خدا کے پیغمبر ہیں اور ظاہر ہے کہ [illegible] دنیا سے جانا ہے جس طرح تمام پچھلے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ دنیا سے گزر گئے تو تم حق پرستی کی راہ سے پھر جاؤ گے ؟ اور تمھاری

---

[1] "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۶۰

کی بنیادیں الٹ دیں۔ جو لوگ نجات وسعادت کی طلب میں دنیا کو ٹھکرا رہے تھے، اب وہی نجات وسعادت دنیا کی ترقی میں ڈھونڈنے لگے۔

۳۔ سورۂ انفال کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے: اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض غر ہولاء دینہم (جب ایسا ہُوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، کہنے لگے، ان مسلمانوں کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے) اس کی تشریح میں فرماتے ہیں، جب بدر میں مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان جنگ کے لیے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہ کر سکے، بجز اس کے کہ کہیں، انھیں دین کے نشے نے مغرور کر دیا ہے۔ بات اگرچہ بہ طور طعنے کے کہی گئی تھی، لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا کہ ان میں فداکاری کے لیے زیادہ سے زیادہ تڑپ پیدا ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ نشہ باطل نہ تھا، اس لیے قرآن کی معجزانہ بلاغت نے ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا: و من یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم (جس کسی نے اللہ پر بھروسا کیا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے) یعنی ان میں فداکاری کی سرشاری اللہ پر کامل توکل کا کرشمہ تھی۔

قرآن کا اسلوب بیان

ایک نوٹ میں فرماتے ہیں، قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، انھیں براہِ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے۔ مثلاً ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کے بجائے اندھی تقلید پر اڑے رہتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں اور سمجھ الٹی ہو جاتی ہے:

"کتنی ہی صاف بات کہی جائے، ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو، وہ اور زیادہ مخالفت کریں گے۔ قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے، خدا کا مقررہ قانون مؤثر ہو کر اسے اس حالت میں پہنچا دیتا ہے[۱]"۔

خدا کی مخفی تدبیریں

سورۂ اعراف کی ایک آیت ہے: افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون (کیا انھیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان مل گئی ہے؟ یاد رکھو، خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے، مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں)

اس آیت کے ضمن میں "مکر" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عربی میں "مکر" کے معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں۔ خوب غور کرو کہ یہ تدبیریں کس درجہ مخفی ہوتی ہیں اور اچانک ان کے نتائج ظہور میں آجاتے ہیں۔ "زلزلے کے اسباب شب و روز نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ سیلاب ایک لمحے ہی کی برف باری

---

[۱] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۳۲۔

تعداد و مقدار دونوں کے لحاظ سے بہ درجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ "ترجمان" کے لیے جو پیمانہ تجویز کیا گیا تھا، یہ تھا کہ مجرد ترجمے سے وضاحت میں کسی قدر اضافہ ہو، لیکن بڑی تفسیروں کے مقابلے میں اس کا دائرہ کم رکھا جائے، اسی لیے ترجمے کے ساتھ جا بجا نوٹ بڑھائے گئے، لیکن اصولی اور تفسیری مباحث کو "مقدمہ" اور "البیان" پر موقوف رکھا گیا۔ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد محسوس ہوا کہ ارباب نظر کا جوش طلب اس پر قانع نہیں۔ ان کی لب تشنگی زیادہ سیرابی کا سامان ڈھونڈتی ہے اور وہ "مقدمہ" و "البیان" کے وعدے پر صبر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ کتاب کے وضع و اسلوب میں نمایاں تبدیلی کر دینی پڑی اور اس میں جا بجا تفسیری مباحث و تفصیلات بھی شامل کر دی گئیں۔ یہ تفصیلات "البیان" تک تو نہیں پہنچیں، لیکن مہمات مطالب اس میں آگئے ہیں۔ نوٹوں کی مقدار کم از کم ڈیوڑھی ہو گئی اور اکثر حالتوں میں دگنی۔ پھر ہر سورت کے خاتمے پر ضروری معاملات کے متعلق الگ نوٹ بڑھا دیے گئے۔ اسی لیے "ترجمان القرآن" کا مواد دو جلدوں کے بجائے، جیسا کہ ابتدا میں طے کیا گیا تھا، تین جلدوں میں تقسیم کر دینا پڑا۔

حقائق پر نظر

مولانا کی نظر ہمیشہ حقائق پر جمی رہتی تھی اور وہ کسی آیت کی تعبیر کے سلسلے میں یہ ضروری پہلو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ مثلاً:

١ - سورۂ اعراف کی آیت کا ٹکڑا ہے: قل امر ربی بالقسط واقیموا وجوہکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین (کہ میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے، وہ تو یہ ہے کہ ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسے پکارو) فرماتے ہیں اس آیت میں دین کے تین بنیادی اصول واضح کر دیے ہیں، عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص۔

٢ - سورۂ اعراف ہی کی آیت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اولادِ آدم عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زینت سے آراستہ رہا کرے، نیز کھائے پیے، لیکن حد سے نہ گزرے۔ فرماتے ہیں کہ یہ رہبانیت کا رد ہے اور اس اصل عظیم کا اعلان ہے کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں اور زینتیں خدا پرستی کے خلاف نہیں۔ بلکہ انھیں کام میں لانا عین منشائے ایزدی کی تعمیل ہے۔ پیروانِ مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے، روحانی سعادت ترکِ دنیا کے بغیر مل نہیں سکتی۔ قرآن کہتا ہے، حقیقت اس کے عین برعکس ہے۔ جو کچھ زمین میں خدا نے پیدا کیا ہے، سب انسانوں کے لیے ہے: دنیا نہیں بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے: ساتھ ہی فرماتے ہیں، جن چیزوں کو پیروانِ مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے، قرآن انھیں "زینت اللہ" قرار دیتا ہے۔ یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے، جس نے انسان کی دینی ذہنیت

کہ تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری، مال، تجارت، مکانات، یہ ساری چیزیں اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے، وہ تمھارے سامنے لے آئے۔

اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ یہ مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس بات میں قطعی ہے کہ حُبِّ الٰہی اور حُبِّ دنیا میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حبِ ایمانی پر کوئی شے غالب نہ آسکے۔ جن آٹھ چیزوں کا اس آیت میں ذکر آگیا، غور کروگے تو متمدن زندگی کے تمام علائق انھیں آٹھ چیزوں میں پاؤگے۔ مومن وہی ہے، جس پر اللہ اور رسولؐ کے سوا کسی کی الفت کا جادو نہ چل سکے اور کوئی علاقہ اسے اتباعِ حق سے روک نہ سکے۔ تجارت اور کاروبار کا ذکر بھی کیا۔ ظاہر ہے کہ :

"عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ صورتِ حال میں انقلاب ہو اور جب انقلاب ہوگا خواہ جنگ کی صورت میں ہو، خواہ دوسری صورت میں تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا۔ مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ہوں گے۔ یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ہمیشہ شاق گزرتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اگر راہِ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ہوگا، بہت تھوڑا ہوگا۔ پھر جو کچھ بنے گا، وہ بہت زیادہ ہوگا۔"

اس ضمن میں پیغمبرِ اسلامؐ کی وفات با برکات سے صحابہ کرامؓ کے عشق کی کیفیت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محبتِ ایمانی کی اس آزمائش میں صحابۂ کرامؓ جس طرح پورے اترے، اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور محتاجِ بیان نہیں۔ بلا شائبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان سے اپنے سارے دل اور ساری روح کے ساتھ ایسا عشق نہیں کیا ہوگا، جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا جو انسان کرسکتا ہے۔ پھر اسی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی جماعت پاسکتی ہے۔"[1]

دفاعِ ملت اور قومی فرض

سورۂ توبہ کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے : انفروا خفافاً وثقالاً وجاہدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ (ہلکے ہو یا بوجھل، جس حال میں ہو، نکل کھڑے ہو اور اپنے مال سے اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو)

یہ دفاعِ ملت کا موقع ہے۔ ہلکے اور بوجھل سے استعداد اور کمی استعداد کی تمام حالتیں مقصود ہیں۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۴۰۔

کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے، تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے۔ فطرت چپکے چپکے سب کام کرتی رہتی ہے، لیکن ہمیں کہ اس کی گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں، ایک لمحے کے لیے بھی اس بات کا گمان نہیں ہوتا، کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے، یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے اور ہم یک قلم غفلت و مستی میں سرشار ہوتے ہیں۔ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون[1]

دعوتِ حق کی حیات بخشی

سورۂ انفال کی ایک آیت ہے: یا ایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں روحانی موت کی حالت سے نکال کر زندہ کر دے)۔

اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلعم کی دعوت انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت تھی۔ غور کرو، اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا۔

"اس سے بڑھ کر مردوں کا جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے ساربانوں میں ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عائشہؓ، خالدؓ ابن وقاص، ابن العاص (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے اور پچاس برس کے اندر عرب کے وحشی کرۂ ارض کی سب سے بڑی مہذب اور اشرف قوم تھے۔"[2]

سیرتِ طیبہ کا نچوڑ

سورۂ توبہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے، لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں، ان سے انکار کیا جا سکے۔ از آں جملہ یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلامؐ کی مخالفت تھیں، ان کے تمام کام اول سے آخر تک ظلم و تشدد، دغا و فریب، وحشت و خونخواری پر مبنی تھے۔ پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا، اس کا ایک ایک فعل صبر و تحمل، راستی و دیانت اور عفو و بخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا۔

پھر پیغمبر اسلامؐ کی سیرت مطہرہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راستبازی، طاقت و اختیار میں درگزر، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر کبھی اس طرح جمع نہیں ہوئے۔"[3]

حبِّ ایمانی اور حبِّ دنیا

سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ غالباً ہر مسلمان نے بارہا پڑھی اور سنی ہوگی، یعنی یہ

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۲۴۔ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] ایضاً ص ۴۷۔

جس بات کو حلال کر دیتے ہیں، حلال مان لینے ہی انھیں پوجنا ہے۔

عیسائیوں نے پوپوں کو اور یہودیوں نے ربیوں کو کبھی خدا نہیں سمجھا، لیکن عملاً حق و باطل، حلال و حرام اور عذاب و ثواب کا اختیار انھیں کو دے دیا۔ اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا:

۱ - خدا کی کتاب اس غرض سے نازل ہوئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس کی جگہ انسانوں کے فیصلے نے لے لی۔

۲ - ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا، انسانوں کا حکم ہو گیا۔

۳ - دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا، اپنے اغراض کے لیے کام میں لاتا۔

۴ - انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہو گئیں کیونکہ لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا۔

۵ - توہم پرستی اور جہل و کوری کا دروازہ کھل گیا کیونکہ چند انسانوں کی رائے کے سوا دوسروں کو اپنی عقل و بینش سے کام لینے کا حق نہ رہا۔

۶ - دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے اور اپنے احکام و اعمال میں یکسر غیر مسئول ہو گئے۔

اصلاح کنیسہ کی اصل بنیاد - یورپ کے ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ پر نظر ڈالو بلکہ اس عہد پر بھی جو نشأۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے، ان نتائج کی ساری مثالیں اور نظریں قدم قدم پر ملیں گی۔ قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی تھی، عیسائی دنیا اسے سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ جب یورپ کے عیسائیوں کو صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے۔ آخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی۔ بنائے نزاع کیا تھی؟ یہ کہ حق کا معیار اللہ کی کتاب ہے یا پوپ کا اجتہاد؟ نجات کا مدار ایمان ہے یا پوپ کی سندِ مغفرت؟

"آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا۔ یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی تھی، جس دن اللہ کے رسولؐ نے نجران کے بشپ کو یہ دعوت اصلاح دی تھی:

یا اہل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم الّا نعبد الّا اللہ و لا نشرک بہ شیئاً و لا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ (اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلّم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم

نوجوان نکل چلنے میں ہلکا ہوتا ہے، زیادہ عمر کا آدمی بوجھل ہوتا ہے۔ سرگرم آدمی فوراً اٹھ کھڑا ہوگا، کسلمند کے قدم بوجھل ہوں گے۔ جس آدمی کے علائق زیادہ ہوں گے، وہ اتنا ہلکا نہ ہوگا، جتنا ایک مجرد یا کم علائق رکھنے والا۔ ہمیں قرآن کے سمجھنے میں صحابہؓ وسلف کے فہم کا اعتبار کرنا چاہیے، نہ کہ بعد کے منطقی اصولیوں اور جدلی فقیہوں کا۔ صحابہؓ وسلف نے تمام صورتیں اس میں داخل سمجھی تھیں اور کسی حال میں بھی اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے۔ اِلّا یہ کہ قطعاً عاجز و معذور ہوں۔ اس سلسلے میں دو روایتیں بھی پیش کی ہیں۔

۔مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا، جنگ کے لیے نکل رہے تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ تو بڑھاپے کی وجہ سے معذور تھے تو انھوں نے کہا: انفروا خفافاً و ثقالاً کا کیا جواب ہے؟

۲۔ ایک صاحب نے آفس جاتے ہوئے ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا، جس کی بھویں آنکھوں پر گر رہی تھیں۔ متعجب ہوکر کہا: کیا خدا نے معذوروں کو معاف نہیں کر دیا؟ جواب ملا، خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے: خفافاً و ثقالاً۔

"یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب دفاع کے لیے امام بلائے تو بجز ان معذوروں کے جنھیں آگے چل کر آیت ۹۱ میں مستثنیٰ کر دیا ہے (ضعیف اور بیمار) ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریک جہاد ہو اور اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں[1]"

علماء و مشائخ کو پروردگار بنانا

سورۂ توبہ کی ایک آیت ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو پروردگار بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ انھیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو۔

فرماتے ہیں، اس آیت میں اس گمراہی کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہود و نصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی۔ مطلب یہ نہیں کہ یہود و نصاریٰ علماء و مشائخ کو رب السموات والارض کہتے تھے، مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے فقیہوں اور عیسائیوں نے اپنے پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے پادریوں دین کے بارے میں جو منصب دے دیا، وہ فی الحقیقت انھیں مثل پروردگار کے بنا لینا ہے۔

عدی بن حاتم طائی نے جو پہلے عیسائی تھے، آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم علماء و مشائخ کو پوجتے تو نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں، تم حرام سمجھ لیتے ہو اور

[1] "ترجمان القرآن" جلد دوم ص ۹۰، ۹۱۔

گروہ کے افراد وہ حق پرست تھے، جنھوں نے دعوتِ حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے، پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ غربت و مصیبت کا زمانہ تھا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی۔ انصار میں سے السابقون الاولون وہ حق شناس تھے جنھوں نے عین اس وقت دعوتِ حق قبول کی، جب پورا جزیرۃ العرب داعیِ حق کو جھٹلا رہا تھا اور خود اس کے اہلِ وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے۔

ان قدوسیوں کے لیے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہم کی بشارت نازل ہوئی۔ یقیناً اللہ ان سے خوشنود ہوا کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے تھے، لیکن یہ بات خصوصیت سے کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے؟ اس لیے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصل مقام اس کے بغیر نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔

انسان کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں۔ کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں۔ وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں، یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں ان کے لیے مصیبتیں نہ رہی ہوں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جنھیں صرف باہمت نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیے۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی نہیں بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

"وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے، بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ہیں۔ راہِ محبت کی ہر مصیبت ان کے لیے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے۔ اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں بھی انھیں ایسی راحت ملے، جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی۔ ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بےخبر نہیں، عیش و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔"[1]

ایمان افروز مثالیں

السابقون الاولون کی محبتِ ایمانی کا یہی حال تھا۔ ان پر شب و روز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس برس گزر گئے، لیکن اس ساری مدت میں کہیں یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ بدر اور احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو۔ ایمان لانے کے بعد جو کچھ ان کے حصے آیا، وہ رات دن کی کاوشوں اور مصیبتوں کے سوا کیا تھا؟ پھر بھی غور کرو، اس اطمینان و سکون سے عیش و نشاط کے بستروں

[1] ترجمان جلد دوم ص ۱۴۳، ۱۴۴۔

ہیں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔ پھر اس دن جس دن سورۂ برأت کی یہ آیت نازل ہوئی۔"

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل و تعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں، جن کی وحشت انگیز سرگزشتیں تاریخ کو قلم بند کرنی پڑیں اور وہ ازمنۂ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں۔ یقیناً یورپ کے علم و عقلیت کی تاریخ چودھویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی۔[۵]

مسلمانوں کی حیرانی و بیچارگی

مسیحی دنیا کی سرگزشت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سوچو، خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنھیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی، انھوں نے بھی دینی تشریع کا حق کتاب و سنت کی جگہ انسانی رایوں کے حوالے کر دیا۔ اعتقاداً نہیں، عملاً اور سوال یہاں اعتقاد کا نہیں، عمل کا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آ گئے، جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا۔ سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے انھیں دور کر دیا۔ اب حالت کیا ہے؟ یہ کہ:

- ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیونکہ اس کی تمام ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدونہ میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔
- دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا، دفاتر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے کوئی نہیں، جو انھیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تو انھیں اس زمانے کے لیے بھی ویسے ہی اصلح و اوفق قوانین مل جاتے، جس طرح پچھلے عہدوں کے لیے مل چکے ہیں۔ فیا للہ وللمسلمین من ہٰذہ الفاقرۃ۔[۶]

رضوا عنہ کا مقام

مہاجرین و انصار میں سے ایک گروہ السابقون الاولون کا تھا، دوسرا گروہ ان بزرگوں کا تھا جو گو بعد کو آئے مگر السابقون الاولون کے قدم بہ قدم چلے، ان کے لیے ارشاد ہوا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا اور وہ اللہ سے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ السابقون الاولون سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا کیونکہ یہاں اسبقیت و اولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ مہاجرین میں سے اس

۵ے ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۲۴-۱۲۵ - ۶ے ایضاً ص ۱۲۵ -

ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا۔ یہی بات تمام نزاعوں کی بنیاد بن گئی۔

اسلام اور اس کے منکروں کے درمیان بھی یہی نزاع تھی۔ قرآن کہتا تھا، میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے۔ مخالف کہتے تھے، ہماری راہ جبر و تشدّد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا، اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو، نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو۔ مخالف کہتے تھے، ہماری بات تمھاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، تمھیں ماننی چاہیے۔ نہ مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

اعمالِ انسانی کے تمام گوشوں میں اصل سوال حدود ہی کا ہے۔ ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے، ایک پسند و قبول کا۔ ہر انسان کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے، اسے دوسروں کو بھی سمجھائے، لیکن اس کا حق نہیں کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے۔ قرآن نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا تاکہ طلب و قیامِ حق کی روح افسردہ نہ ہو۔ دوسری طرف شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر و تشدّد بیجا مداخلت نہ کر سکے۔ تاریخ کو بارہ صدیوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلافِ عقائد کی بنا پر ذبح نہ کرے اور اتنی بات سمجھ لے کہ تذکیر و توکیل میں فرق ہے:

"ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں مانی جاتی ہے، لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی سے شروع نہیں ہوئی۔ اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی۔ افسوس کہ خود مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پسِ پشت ڈال دی۔ اگر انھوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں[1] پیدا ہوتیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقے سے محض اختلافِ عقائد کی بنا پر دست و گریباں ہو جاتا۔

مسئلہ معیشت اور تساوی حال

سورہ نحل کی ایک آیت ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي
الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَادِّيْ رِزْقِهِمْ
عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ
سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے۔ پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے، وہ اپنی روزی اپنے زیر دستوں کو لوٹا دے حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟

---

[1] "ترجمان القرآن" جلد دہم ص ۱۷۳، ۱۷۴۔

پر کسی نے جان نہ دی ہو گی جس طرح انھوں نے میدانِ جنگ کی ریتلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی۔ جنگ احد میں سعدؓ بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا زخمیوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ پوچھا، کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو۔ کہا، اللہ کے رسول کو میرا اسلام پہنچانا اور قوم سے کہنا، ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں۔ عمارہ بن زیاد زخموں سے چور، جانکنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرتؐ سرہانے پہنچ گئے فرمایا، کوئی آرزو ہو تو کہہ دو۔ عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا کہ اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو یہی ہے۔

پھر ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جو ان کے قدم بہ قدم چلے۔ جاہلیّت کی مشہور شاعرہ خنساء نے جو مرثیے اپنے بھائی کے غم میں کہے، دنیا کی شاعری میں نظیر نہیں رکھتے۔ ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہو گئی کہ جنگ قادسیہ میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دیے۔ جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اٹھی: اللہ کی حمد و ثنا ہو جس نے ان کی شہادت سے مجھے عزت بخشی۔

مولاناؒ فرماتے ہیں: تعجب ہے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسّروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی۔ "البیان" میں مزید تفصیل ملے گی[1]۔

تذکیر و توکیل

سورۂ یونس کی آخری آیتوں میں سے ایک آیت ہے کہ جو شخص ہدایت اختیار کرے گا، اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا، اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی وما انا علیکم بوکیل (اور میں تم پر نگہبان نہیں) یعنی داعیِ حق کا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دے، یہ نہیں کہ نگہبان بن کر لوگوں پر مسلّط ہو جائے اور سمجھے خدا نے اسے ہدایت کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے۔ دوسری جگہ پیغمبرِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے یہی مطلب یوں ادا کیا ہے: وما انت علیکم بجبّار (تو ان لوگوں پر، ظالم جابر کی طرح مسلط نہیں کہ جبراً اور قہراً اپنی بات منوا لے) نیز فرمایا: لست علیکم بمصیطر (تجھے ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بٹھایا کہ انھیں راہِ حق پر چلا دینے کا ذمّہ دار ہو)

جا بجا مختلف پیرایوں میں پیغمبر کا مقام یہی بتایا کہ وہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے، پیامِ حق پہنچانے والا ہے، نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے۔ ایمان و عمل کے نتائج کی خوشخبری سنانا اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کرتا ہے۔

غور کیجیے، امن و سلامتی کی راہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوتِ حق کی یہ روح سمجھ لی

[1] "ترجمان القرآن" جلد دوم ص ۱۴۴، ۱۴۵۔

حال کی خبر ہے۔

مقام محمود

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۹ میں پیغمبر اسلام کو مقام محمود کی بشارت دی گئی ہے۔ اس سے مقصود ایسا درجہ ہے، جو عالم گیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے۔ مظلومیت اور بے سروسامانی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ وحی الٰہی نے محض فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہ دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی، بلکہ ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے آخری بلندی ہے، یعنی حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی عظمت حاصل ہو جائے گی۔

"کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، ان گنت زبانوں پر اس کی مدح طرازی ہو گی۔ یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے۔ سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں۔ نپولین کی ساری جہاں ستانیاں آتنا بھی نہ کر سکیں کہ کارسیکا کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں، جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے، جس میں حسن و کمال ہو، کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں، جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں۔

غور کرو، جس وقت سے نوعِ انسانی کی تاریخ معلوم ہے، دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصے میں؟ یا خدا کے رسولوں کے حصے میں جنھوں نے جسم و ملک کو نہیں، روح و دل کو فتح کیا تھا[1]"

یہی مقام محمود ہے، جس کی خبر دوسری جگہ اس امر کے ساتھ دی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ اور سلام بھیجو۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا مشہد قیامت کے دن پیش آئے گا، جب پیغمبر اسلام اللہ کی حمد و ثنا کا علم بلند کریں گے۔ بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے، جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے، وہاں بھی محمود و ممدوح ہو گی۔

قرآن مجید کے عملی سانچے

سورۂ نحل کی ایک آیت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت،

---

[1] ترجمان جلد دوم ص ۳۶۳-۳۶۴۔

مولانا اس آیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ انسانی معیشت کے کارخانے میں ہر طرح کے فوائد و وسائل کا دروازہ سب پر کھول دیا گیا ہے، مگر ہر چیز اسی کو ملتی ہے جو اس کے لیے جدوجہد کرے اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لیے ضروری ہیں، لیکن سب کی جسمانی و ذہنی استعداد یکساں نہیں، اس لیے وسائل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں۔ قرآن متفاوت معیشت سے تعرض نہیں کرتا، لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ رزق کسی کو ملے کسی کو نہ ملے اس کے نزدیک جو انسان دنیا میں پیدا ہوا، دنیا کے سامان و رزق سے حصہ پانے کا یکساں حقدار ہے کوئی طاقت ور ہو یا کمزور، تندرست ہو یا بیمار، قابل ہو یا نا قابل، دولت مند کے گھر پیدا ہو یا فقیر کے ماں کے پیٹ سے یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سروسامان پائے۔

قرآن نے اس سلسلے میں یہ صورت اختیار کی کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقع ملا، ان کے ذمے خرچ کرنے کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا۔ ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزوروں کو لوٹا دیں۔ "لوٹا دیں" کیونکہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لیے تھی، جو کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے۔ اب طاقتور افراد کے پاس چلی گئی۔ لہذا چاہیے کہ حقداروں کو لوٹا دی جائے یعنی جو ان کا حق ہے، انھیں مل جائے۔

دراصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوع انسانی کے گھرانے کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایک دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا، بلکہ سب کو ایک گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے۔ ایسے افراد جو ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ایک دوسرے کے شریک حال ہیں اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں۔

قرآن کہتا ہے، تمام افراد انسانی ایک گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ کرۂ ارض ان کا وطن ہے، انسانیت ان کی نسل ہے۔ ہر فرد اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کر سکتا ہے، لیکن کمائی کو صرف اپنے لیے سمجھنے کا حق نہیں رکھتا۔ کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے۔ جونہی تم کمانے لگے تم پر ذمہ داری عائد ہو گئی۔ ہر پیسا جو تمھاری جیب میں آئے گا، انفاق کی تازہ ذمہ داری ساتھ لائے گا۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ سروسامان معیشت سب کے پاس یکساں نہیں اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے، اسی لیے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا۔ دوسری بات یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے۔

بعض مفسرین نے فھم فیہ سواء کو عدم تساوی پر محمول کرتے ہوئے تقدیر عبارت "اَفھم فیہ سوا" قرار دی۔ بعض نے فھم کی فا کو حتّٰی کے معنی میں لیا، لیکن جملے کا صاف صاف مطلب وہی ہے جو ہم نے قرار دیا، یعنی یہ صریح تساوی

کے لیے صبر ہی بہتر ہے)

مولاناؒ فرماتے ہیں، غور کرو، قرآن کا محض ایک لفظ یا ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ دعوت کا حکم بہ صیغۂ امر دیا گیا۔ پھر یہ نہیں کہا گیا کہ تمھارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو بلکہ کہا :

" اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں، محض اجازت ہے یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصل مقام ہے : جھیل جانا اور بخش دینا تو پھر اسے بدلے کی اجازت دے دی گئی ہے، لیکن یہ اجازت بمثل ما عوقبتم بہ سے مقید ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں۔ عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو، رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے، اتنی ہی تم بھی کر لو۔ اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے"[1]

ادوارِ گزشتہ کے متعلق سوال

سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ اور فرعون کے سوال و جواب منقول ہیں۔ فرعون کا دوسرا سوال یہ تھا کہ فما بال القرون الاولیٰ، جو لوگ پچھلے عہدوں میں گزر چکے، ان کے لیے کیا ہونا ہے؟ وہ راہ صواب پر تھے یا گمراہ تھے؟ انھیں تو اس نئے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی فرعون کا سوال مجادلانہ تھا، لیکن انبیاء کرام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں حضرت موسیٰؑ نے کاوش میں پڑنے سے انکار کر دیا اور کہا ہم جانتے ہی نہیں اور ہمیں اس کا خواہش مند بھی نہیں ہونا چاہیے کہ جانیں اس جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتا دی کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں اور جن کی کاوش ہمارے لیے سود مند بھی نہیں، ان کی فکر میں ہمیں نہ پڑنا چاہیے اور معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں، غور کرو، مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے بنا لیے گئے ہیں، جن میں سے ہر جھگڑا فما بال القرون الاولیٰ کی فرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے یعنی اب سے پہلے فلاں گروہ جو گزر چکا ہے حق پر تھا یا باطل پر؟ فلاں انسان نیک تھا یا بد؟ پھر اس میں بحثیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں۔ گویا انسان کی نجات کے لیے یہی کافی نہیں، خود اسے کیا کرنا چاہیے، وہ اس فیصلے کا بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے پانسو برس پہلے کسی نے کیا کہا تھا اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا۔ پھر ہر فریق اس طرح حکم لگاتا ہے، گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے

پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس بنا پر

---

[1] "ترجمان القرآن" جلد دوم ص ۴۳۴، ۴۳۵۔

رحمت اور بشارت ہے۔

ہدایت، رحمت اور بشارت اس وجہ سے ہے کہ انھیں فلاح وسعادت کی راہ پر چلاتی اور بدعملیوں سے روکتی ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ مسلمانو! عدل کو اپنا شیوہ بناؤ۔ نیک کرداری میں سرگرم رہو۔ قرابت والوں سے حسن سلوک کرو۔ فحش کاموں سے بچو۔ ہر طرح کی برائیوں سے اجتناب کرو اور ظلم و بغی سے کبھی آلودہ نہ ہو۔

عدل تمام محاسنِ اعمال کی اصل ہے۔ جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو کچھ کرنا چاہیے انصاف کے مطابق کرنا چاہیے، اس نے سب کچھ پالیا۔ پھر احسان، فحشاء، منکر اور بغی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو، جن میں اس قسم کے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت، رحمت اور بشارت نہیں تو اور کس نام سے اسے پکارا جا سکتا ہے؟"[1]

دعوتِ حق کا طریقہ

سورہ نحل کی آیت ۱۲۵ میں دعوتِ حق کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تین چیزیں کہی گئی ہیں، اوّل حکمت یعنی دانائی کی باتیں، دوم موعظۂ حسنہ یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن و خوبی سے کی جائیں، سوم وجادلہم بالتی ہی احسن یعنی بحث و نزاع کی ضرورت پڑے تو کر سکتے ہو، لیکن اچھے طریقے پر۔ مولانا فرماتے ہیں!

"دعوتِ حق کا طریقہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کا طریقہ ہے اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقے پر ہو" احسن طریقے" سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو، اپنی بات کی ترجیح نہ ہو۔ مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو۔ اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ؟"

یہ بھی ضروری ہے کہ طریقِ خطاب مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والا نہ ہو، اسے دوسروں کی نظروں میں ذلیل و رسوا نہ کرے۔ بدقسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے۔

"ہم دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں۔ جب کبھی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے تو اپنی جیت کے لیے لڑتے ہیں۔ اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے۔"

کم از کم دین کے معاملے میں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں، سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولان صبرتم لہو خیر للصابرین (اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو، جیسی تمھارے ساتھ کی گئی اور اگر تم نے صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں

---

[1] ترجمان القرآن، جلد دوم ص ۳۳۷، ۳۳۸۔

کیونکہ یہی جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی و عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لیے ایک محرک کا کام دیتی ہے، لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشے کی طرح یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصے کے تقاضے میں نہیں لگتی بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے۔ اسے جہاں صبر کرنا چاہیے، وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے۔ جب فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوءِ استعمال کی مذمت کرتا ہے، نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی۔[1]

حضرت یوسفؑ

مولاناؒ نے سورۂ یوسف کی آخری تشریحات میں بعض شخصیتوں کے کردار الگ الگ پیش کیے ہیں، مثلاً حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ اور امراۃ العزیز جسے عموماً زلیخا کہا جاتا ہے۔ ان میں سے حضرت یوسفؑ کو پوری سرگزشت میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں ان کا کردار مولانا کے الفاظ میں، اختصاراً پیش کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے، قرآن مجید کے فہم و دعوت میں ان کا مقام کیا تھا۔ ابتدا میں فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے۔ اگر یہ فضیلت موجود ہو تو اس کے لیے فتح و کامرانی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی تمام رکاوٹوں میں سے وہ اپنی راہ نکال لے گا۔ پہاڑ اور سمندر بھی اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں گے۔ حوادث و وقائع بھی اس پر قابو نہ پا سکیں گے یہی حضرت یوسفؑ کی زندگی کا نچوڑ تھا۔ اب تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

۱ - ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے اور وہ چند سکوں کے بدلے غلام بن کر بک جاتا ہے۔

۲ - اس نے کیا کیا؟ تجربہ کار دانشمند کی طرح صورتِ حال کا پورا جائزہ لیا۔ پھر فیصلہ کر لیا کہ جو حالت پیش آ جائے، اسے صبر و سکون سے برداشت کرنا چاہیے اور اسی کے مطابق کام کیے جانا چاہیے۔

۳ - وہ عزیز مصر کے ہاں غلام بن کر پہنچا اور غلام کی طرح خدمت شروع کی، گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لیے زندگی کی سوگواری بن جاتی، حضرت یوسفؑ کے لیے کوئی مصیبت ہی نہ تھی۔ وہ اس طرح چلے جا رہے تھے، جیسے ایک عازم اور بے پروا ملاح جسے نہ کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہو، نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ پریشان کرتا ہو، کشتی چلائے لیے جاتا ہے۔

۴ - مصر میں غلاموں سے نہایت برا سلوک ہوتا تھا، لیکن دیکھو، عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کے متعلق اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عزت سے رکھو، عجب نہیں، یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ سوچو، وہ کیسی

[1] ترجمان القرآن، جلد دوم ص ۲۷۴۔

تھیں کہ ایک کہتا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سب سے بڑے ولی ہیں، دوسرا کہتا تھا انہیں شیخ احمد رفاعی۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں، زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں، عمرو کہتا ہے مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟ ایک مرتبہ جی میں آیا، لکھ دوں، دونوں کے پیچھے نہیں۔

"فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص ومدون ہوئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا، ان چاروں اماموں میں افضل کون ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ وقتال کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملے کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے شافعی کو چھوڑا، نہ حنفی کو۔

"شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں منقسم کر دیا، لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ فما بال القرون الاولیٰ۔ تیرہ سو برس گزر گئے، مگر اتنی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ علمها عند ربی فی کتاب، لا یضل ربی ولا ینسیٰ (اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتے میں ہے۔ میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے یا بھول میں پڑ جائے۔) بہرحال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کرتی ہے اور طریق موسوی یہ ہے کہ علمها عند ربی فی کتاب کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں۔"[1]

انسانی طبیعت کا خاصہ

سورۂ انبیاء کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے: خلق الانسان من عجل، آدمی کی سرشت ہی میں جلد بازی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں، قرآن نے جابجا انسانی طبیعت کے اس خاصے کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں، رایوں اور اقدام عمل میں جلد باز پیدا ہوا ہے۔

"اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے تو قرآن اس خاصے کی مذمت نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہ برائی کے لیے نہیں، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی

[1] ترجمان جلد دوم ص ۴۶۳ - ۴۶۴ -

گیا تھا، اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی۔ خواب میں ایک خوفناک قحط کی خبر دی گئی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے تعبیر کے ساتھ اس سے بچنے کا طریقہ بھی واضح کر دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ دنیا کی خدمت و ہدایت کے سوا کوئی شے ان کے سامنے نہ تھی۔

۱۳ تعبیر سن کر بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا قاصد بھیجا۔ ایسی حالت میں کوئی اور شخص ہوتا تو جوشِ مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتا، لیکن حضرت یوسفؑ نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ پہلے میرے معاملے کی تحقیقات کر لو۔

۱۴ - غور کرو، ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی؟ کیسے عدیم النظیر ضبط و صبر کی قوتوں کے ساتھ خودداری اور عزتِ نفس کی روح اس کے ذرے ذرے میں رچی ہوئی تھی؟ قید سے رہائی بلاشبہ خوشخبری تھی، لیکن وہی رہائی جو بے جرمی کے اثبات کا نتیجہ ہو، نہ کہ بادشاہ کا عطیہ اور بخشش ہو۔ حضرت یوسف حق و انصاف کا فیصلہ چاہتے تھے، احسان قبول نہیں کر سکتے تھے۔ عزتِ نفس اور استقامتِ حق کا یہ کتنا بلند مقام ہے!

۱۵ - جمالِ یوسفؑ کی یہی رعنائیاں تھیں کہ جب بے جرمی ثابت ہو گئی اور وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو ایک ہی نظارے میں اس کا دل مسخر کر لیا، یہاں تک کہ اس نے سلطنت کا مختار بنا دیا۔

۱۶ - اس حالت میں مصائبِ قحط کے لیے کامیاب پیش بندی کی۔ پھر بھائی غلّے کی طلب میں سائلانہ پہنچے۔ آخر جب حقیقت ظاہر ہو گئی اور بھائیوں نے اپنے عمل پر خجالت کا اظہار کیا تو حضرت یوسفؑ نے بے توقف فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وہو ارحم الراحمین (آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تمہارا قصور بخش دے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے) بلکہ آگے چل کر بھائیوں کے معاملے کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔

دیکھیے، یہ عفو و بخشش اور علوِ ہمت کا کتنا بلند مقام ہے! ظرف کی کیسی پہنائی اور خلق کی کیسی عظمت ہے! بیچارگی تھی تو اُف تک نہ کی، طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گزرا۔ یہ حضرت یوسفؑ کی سیرت تھی اور یہ محض ایک سرسری خاکہ تھا جو بیانِ قرآن کو سامنے رکھ کر مرتب کر دیا گیا۔ اس کے بعد باقی معارف "ترجمان" کے بجائے "البیان" کے لیے محفوظ رکھے۔

آخری گزارش یہ ان حقائق و معارف کی محض ایک جھلک تھی، جن سے "ترجمان القرآن" کی دونوں جلدوں کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ ایسی چیزیں پہلی جلد میں نسبتاً کم ہیں کیونکہ اس کا پیمانہ بہت محدود رکھا گیا تھا۔ دوسری جلد کا شاید ہی کوئی صفحہ ہو جس میں ایسے لؤلؤ و مرجان بار نہ ہوں۔ ان سطور کا مدعا

وفاداری، دیانت، راستبازی اور امانت شعاری ہی تھی جس نے مصری امیر کو اتنا متأثر کیا کہ ایک عبرانی غلام کو فرزند کی طرح چاہنے لگا بلکہ اسے گھربار اور علاقے کا مختارِ کل بنا دیا۔

۵ - پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ نمودار ہوا۔ پچھلی آزمائش ذہن و دماغ کی تھی، یہ جذبات کی آزمائش تھی، جو انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش ہوتی ہے، لیکن حضرت یوسفؑ کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی اور ان کی بے داغ فضیلت پر نفسِ انسانی کا یہ سب سے بڑا فتنہ بھی دھبا نہ لگا سکا۔

۶ - امرأۃ العزیز کی دعوتِ عیش کے جواب میں کتنی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں، جن سے اس فعل کی برائی ظاہر ہو جاتی، لیکن حضرت یوسفؑ نے صرف یہ کہا: معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای، معاذ اللہ تیرا شوہر میرا آقا ہے اور اس نے مجھے عزّت سے گھر میں جگہ دی ہے۔ قرآن نے حضرت یوسفؑ کی سیرت کے اسی جوہر کو نمایاں کر کے دکھایا۔ امانت داری، راستبازی اور ادائے فرض کی روح ان پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر وہی سامنے آتی تھی۔

۷ - مصر کی عورتوں کا معاملہ پیش آیا، گویا دارالحکومتِ مصر کے تمام فتنہ گران حسن نے جمع ہو کر یورش کر دی تھی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ سب کو اقرار کرنا پڑا: سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، ضرور ایک فرشتہ ہے، بڑے مرتبے والا فرشتہ۔

۸ - اب دو راستے سامنے آ گئے۔ عیشِ حیات کی دلفریبیاں مگر جرم و معصیت کے ساتھ اور راستبازی و حق پرستی پر استقامت مگر قید و بند کی مصیبتوں کے ساتھ۔ حضرت یوسفؑ نے بے توقف دوسری راہ اختیار کی۔

۹ - قید خانے کی زندگی میں بھی دعوتِ حق کا داعیہ ان کے قلبِ مبارک میں اٹھتا ہے اور وہیں دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح مصر کا قید خانہ دعوتِ حق کی درس گاہ بن گیا۔

۱۰ - بادشاہ کے دو پیش خدمت قید ہو کر آتے ہیں اور اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان کی توجہ اور رجوع سے فائدہ اٹھا کر پہلے دینِ حق کی تلقین کی، پھر تعبیر بتائی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دعوتِ حق کا فریضہ کیونکر ادا کرنا چاہیے اور داعیِ حق کے جوش و طلبِ دعوت کا کیا حال ہوتا ہے۔

۱۱ - ان پیش خدمتوں میں سے جو ساقیوں کا سردار تھا، اپنے منصب پر بحال ہونے والا تھا، حضرت یوسفؑ اسے فرماتے ہیں: اذکرنی عند ربک، اپنے آقا کے پاس جانا تو مجھے یاد رکھنا، یعنی میری یہ تعلیم و دعوت یاد رکھنا اور اپنے آقا سے بہ عنوانِ مناسب اس کا ذکر کرنا۔

۱۲ - پھر بادشاہِ مصر خواب دیکھتا ہے اور اس کی تعبیر کا معاملہ ساقیوں کے سردار کی وساطت سے حضرت یوسفؑ تک پہنچتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی رہائی کے لیے کچھ نہ کہا، خواب کی تعبیر بتا دی بلکہ جو کچھ پوچھا

سورۂ نور

12 لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○

تم لوگوں نے اِس واقعے کے سننے کے ساتھ ہی محض اعتمادِ نفس کی بنا پر اور اپنے ساتھ نیکی کا گمان کر کے کیوں یہ نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلی ہوئی تہمت ہے؟ ۱؎

جنگ کا زمانہ پر آشوب بالخصوص فن روایت کے اختلال و بے اثری کا ایک ایسا عہد مشئوم ہوتا ہے، جب تاریخ و وقائع نگاری کی حقیقت بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ نفسِ انسانی کی تمام کمزوریاں پوری طرح کام کرنے لگتی ہیں اور فن روایت اس عہد میں آکر بالکل بیکار رہ جاتا ہے۔ محدثین اسلام نے اگرچہ ان روایتوں کے متعلق کوئی جدید قاعدہ وضع نہیں کیا، بلکہ جرح و تعدیل کے جو عام اصول ہیں، انھیں کو ان روایتوں کا بھی معیار بنایا، لیکن قرآن مجید نے ان روایتوں کی طرف خاص اعتناء کیا ہے اور ان کے قبول کرنے سے جابجا ممانعت کی ہے۔ جن روایتوں میں کسی فریق کے بغض و انتقام کی علانیہ جھلک نظر آتی ہے ان کے متعلق قرآن نے عام حکم دے دیا کہ ان روایتوں کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں۔ اس قسم کے تمام موقعوں پر راویوں کی ثقاہت و عدم ثقاہت سے کوئی بحث نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ سننے کے ساتھ ہی شدت سے انکار کر دینا چاہیے۔

چنانچہ منافقین نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا اور آنحضرت نے مختلف ذرائع سے اس کی تحقیق کی جب اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک مہینے تک وحی الٰہی کا انتظار کیا۔ اس وقت خدا نے حضرت عائشہؓ کی برأت میں دس آیتیں نازل فرمائیں۔ ایک آیت میں (جس کا ترجمہ سامنے درج ہے) اس روایت کی تحقیق پر اظہار عتاب بھی فرمایا۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق کی خباثت اخلاق اور دوسرے فریق کی طہارت نفس کا اثر بھی روایتوں پر پڑتا ہے۔ چونکہ زمانہ جنگ میں اس قسم کے خبیثانہ اخلاق کے نتائج کا ظہور عموماً ہوتا رہتا ہے، اس لیے اس قسم کی روایتوں کے متعلق کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہی نہیں۔ اصلاً ان پر کان دھرنا ہی نہیں چاہیئے۔

---

35 اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک طاق میں ایک چراغ اور چراغ بلّور کی ایک قندیل میں۔ قندیل اس قدر شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک درخشندہ ستارہ۔ پھر اس چراغ کی روشنی ایک ایسے شجرۂ مبارکۂ زیتون کے تیل سے ہے، جو نہ مغربی ہے نہ مشرقی۔ اس کے تیل میں یہ ایک عجیب خاصیت ہے کہ اپنے مشتعل ہونے میں وہ آگ کا محتاج نہیں۔ آگ اسے نہ بھی چھوئے تاہم وہ آپ سے آپ جل اٹھے گا۔ اس کے نور کا حال کیا کہا جائے کہ وہ تو نور علیٰ نور ہے اور اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اپنے اس نور کی طرف ہدایت بخش دے

۱؎ البلاغ ۱۷ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸

محض یہ تھا کہ باقیات کے سلسلے میں بھی "ترجمان" کی عظمت و ندرت واضح ہو جائے ورنہ اس پر تبصرے کے لیے نہ مقدمے کے دامن تنگ میں گنجائش تھی اور نہ میں اس بہ درجہا زیادہ بلند پایہ کام کے لیے اپنے آپ کو موزوں سمجھتا تھا۔ میں نے "ترجمان" سے ہر قسم کے نمونے پیش کر دیے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ مفصل تفسیر کا نمونہ ہے۔ ایسی آیات بھی پیش کر دیں، جن سے مولانا نے نہایت اہم نکتے پیدا کیے۔ مختلف مسائل و مباحث کے مرقعے بھی خوانندگانِ کرام کے سامنے رکھ دیے اور سب سے آخر میں حضرت یوسفؑ کے کردار کی ایک مرتب تصویر بھی دکھا دی۔

یہ صفحات اپنے عزیز دوست جناب صادق دلاوری کے ایماء و تجویز کی بنا پر تحریر کیے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاید اس طرح وہ حضرات از سرِ نو "ترجمان" پر غور و توجہ کے لیے آمادہ ہو جائیں، جنھوں نے پہلے اسے صرف سرسری نظر سے دیکھا اور اس کے اصل جوہروں کا پورا پورا اندازہ نہ فرما سکے۔ اگر یہ خدمت کسی بھی درجے میں مستحق اعتنا یا موجب ثواب ہو تو اس میں بڑا حصہ میرے عزیز دوست دلاوری صاحب ہی کا ہے

میں نے "باقیات" کے لیے اس وجہ سے مشقت اٹھائی کہ "ترجمان" جلد سوم کے متعلق مولاناؒ کے مسودات میں اب تک کوئی چیز نہ مل سکی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اصل مسودہ مل جائے تاکہ "باقیات" کی ضرورت نہ رہے اور اس طرح "مقدمہ و البیان" کے متعلق بھی جو کچھ ان کے قلم سے نکلا، ہاتھ آ جائے، اگرچہ وہ نامکمل و ناتمام ہی ہو۔

لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ ۵۵

گزشتہ امتوں کو عطا فرمائی تھی اور جو دین ان کے لیے اس نے پسند کیا ہے یعنی اسلام، اسے دنیا میں قائم کرکے رہے گا۔ نیز خوف اور خطرے کی اس زندگی کے بعد ان پر طمانیت اور راحت کا ایک ایسا دور طاری کردے گا کہ وہ بہ اطمینان اللہ کی پرستش کریں گے۔ کسی کو اس کا شریک نہ گردانیں گے پھر جو شخص ان تمام احسانات الٰہی کے بعد بھی اللہ کے آگے نہ جھکے تو بس ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں[1]

نماز اسلام کی ایک عبادت ہے اس کے لیے ضرور ہے کہ منہ کعبے کی طرف ہو، مگر اسوۂ ابراہیمی اسلام کی حقیقت ہے۔ اس کے لیے صرف کعبے کی طرف منہ کردینا کافی نہیں بلکہ بانی کعبہ کی طرف دل کو پھیر دینا شرط ہے۔ وہ نماز کا ایک رکن ہے کہ عبادت ہے یہ اسلام کی شرط ہے کہ اصل حقیقت ہے۔

(ملۃ ابیکم ابراہیم الی آخر میں) حضرت ابراہیمؑ کی نسبت کو اس لیے یاد دلایا گیا ہے کہ ان کی زندگی اسلام کی حقیقت کا نمونہ تھی انھوں نے اپنی قربانی کا اسوہ دکھا کر اسلام کی حقیقت ظاہر کردی تھی۔ جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، قیام صلوٰۃ و اعلان حق اسی قربانی سے عبارت ہیں اور جب تک ایک قوم اس قربانی کے لیے تیار نہ ہو، وہ سعادت عالم و عالمیاں کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔۔۔۔ مشہور آیۂ استخلاف جس کا ایک وعدۂ الٰہی کی صورت میں اعلان ہوا پھر نصف صدی کے اندر ہی اندر نصرت الٰہیہ نے اس کی تکمیل بھی کردی اس مبحث کے لیے ایک آخری فیصلہ کن بصیرت بخش دی ہے

[1] الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۵-۶

فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ○

یہ چراغ کا بیان دراصل ایک مثال تھی اور اللہ لوگوں کے سمجھنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر شے کی حالت سے واقف ہے۔ یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن کیا جاتا ہے جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت کی جائے اور ان میں اللہ کا ذکر اور اس کے نام کی تقدیس ہو۔ ان میں اللہ کے بندگانِ مخلص و مومن صبح و شام تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔[۵۱]

(مسلمانوں سے خطاب ہے) روشنی کے تم بھی متلاشی ہو اور میں بھی، اس لحاظ سے ہم دونوں کا مطلوب و مقصود ایک ہی ہے لیکن پھر بھی مجھ میں اور تم میں اختلافِ حال کا ایک سمندر حائل ہے۔ تم ڈھونڈتے ہو تاکہ غیروں کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے اپنا چراغ روشن کرو۔ میں پوچھتا ہوں کہ تمہاری وہ شمع کیا ہوئی، جس کی روشنی سے تمہارے گھر کا کونہ کونہ منور تھا؟ … اسی شمع کو کیوں روشن نہیں کرتے؟ یہ کیسی بدبختی ہے کہ جن کے پاس کافوری شمعیں ہیں وہ کسی کے جھونپڑے کے دیے کو نظرِ حسرت سے دیکھیں؟ اسلام آخری دینِ الٰہی تھا جس نے نہ صرف احکامِ شریعت ہی میں بلکہ حیاتِ قومی کی ہر شاخ میں ہمیں سب سے آخری اور سب سے بہتر اصول دے دیئے اور دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزما لیا جا سکتا ہے کہ ان اصول کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔

اس آیت میں خدا نے مساجد کا حقیقی مقصد بتا دیا جس کے لیے وہ موزوں ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا وَّ وَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○

جو لوگ منکر ہیں، ان کے کام ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں ریت کہ پیاسا دور سے اسے پانی سمجھ کر دوڑتا ہے مگر جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ اس نے پایا تو اللہ کو اپنے قریب پایا، جس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ جلدی حساب کر دینے والا ہے۔[۵۲]

قرآن کریم میں ہر جگہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے اعمال کو، جن کے اغراض و مقاصد مرضاتِ الٰہی کی خواہش اور نورِ صداقت و حق پژوہی سے خالی ہیں، ہمیشہ ان چیزوں سے تشبیہ دی ہے، جو اپنے اندر کامیابی کا کوئی نہ کوئی ہنگامی اثر و جلوہ ضرور رکھتی ہے، لیکن آخر میں ان کی ناکامی نمایاں ہو جاتی ہے … اس آیت میں اعمالِ ضلالت کی مثال اس شخص کی سی بتلائی، جو پیاسا ہو، مگر دریا کی جگہ ریگستان کو سمندر سمجھ کر اس کی طرف دوڑے۔ بالآخر اسے ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ اختیار کیے کہ ان کو زمین پر خلافت عطا فرمائے گا، اسی طرح جیسے ان سے پہلے (بنی اسرائیل وغیرہ) . . . .

---

[۵۱] الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۲ء ص ۸۔ [۵۲] الہلال ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۸۔ [۵۳] "الہلال" ۴ جون ۱۹۱۳ء ص ۵۔ اس آیت کے مختلف حصوں کا ترجمہ "الہلال" ۲ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۵ اور ۱۴ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۲ پر بھی ملے گا۔

عُتُوًّا كَبِيرًا ○
وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ
وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ○ اَلْمُلْكُ
يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ
يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ○

سخت درجے کی سرکشی کی[1]- ۲۱
اور جس دن آسمان بادل کے ایک ٹکڑے پر سے پھٹ جائے گا
اور فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے، اس دن کسی ۲۵
کی بادشاہت باقی نہ رہے گی۔ صرف خدائے رحمٰن ہی کی[2]
حکومت ہوگی اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے لیے بہت ہی سخت ہوگا۔ ۲۶

آدم کی اولاد وہ کی محکوم نہیں ہو سکتی، وہ ایک سے لے گی، دوسرے کو چھوڑے گی ایک سے جوڑے گی دوسرے سے کٹے گی.... پھر مومن کی تعلیم دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی جو دنیا اور اس کی بادشاہیاں فانی ہیں۔ ان کے جلال و جبروت کو ایک دن لٹنا ہے۔ خدائے منتقم و قہار کے بھیجے ہوئے فرشتے عذاب انقلاب و تغیرات کے حربے لے کر اترنے والے ہیں۔ ان (بادشاہیوں) کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ ان کی تلواریں کند ہو جائیں گی۔ ان کے خزانے کام نہ آئیں گے ان کی طاقتیں نیست و نابود کر دی جائیں گی۔ ان کا تاج غرور سر سے اتر جائے گا۔ ان کا تخت جلال و عظمت واژگوں نظر آئے گا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ
قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ
مَهْجُورًا ○

اور (قیامت کے دن) رسول اللہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار!
افسوس ہے کہ میری امت نے قرآن کی ہدایتوں اور تعلیموں پر عمل نہ کیا
اور اس سے (قرآن سے) رشتہ کاٹ لیا (اسی کا نتیجہ ہے جو وہ آج بھگت رہے ہیں[3]) ۳۰

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ
هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا
مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا
وَحِجْرًا مَحْجُورًا ○

اور وہی قادرِ مطلق ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملایا،
ایک کا پانی شیریں و خوش ذائقہ اور ایک کا کھاری کڑوا۔
پھر دونوں کے درمیان ایک ایسی حد فاصل اور روک رکھ
دی کہ دونوں باوجود ملنے کے الگ رہتے ہیں[4]۔ ۵۳

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِيرًا ○

اور وہی (حکیم و قدیر) ہے جس نے پانی سے (نطفے سے)
انسان کو پیدا کیا، پھر اسی رشتۂ پیدائش کے ذریعے سے اسے
نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا اور تیرا رب) قدرت والا ہے[5] ۵۴

آپ نے سمندروں کو طوفانوں اور موجوں کی صورت میں دیکھا ہے کہ پانی کی سرکشیاں کیسی شدید ہوتی ہیں، لیکن اس سرکش اور مغرور دیو پر جب حقیقتِ اسلامی کی اطاعت کا قانون نافذ ہوا تو اس عجز و تذلیل کے ساتھ اس کا سر جھک گیا کہ ایک طرف میٹھے پانی کا دریا بہ رہا ہے اور دوسری طرف کھاری پانی کا بحر زخار ہے۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ کوئی شے ان میں حائل نہیں، مگر نہ تو دریا کی یہ مجال ہے کہ سمندر کی سرحد میں قدم رکھے اور نہ سمندر با ایں ہمہ قوت و قہاری اس کی جرأت رکھتا ہے کہ اپنی سرکش موجوں سے دریا پر حملہ کرے۔

---

[1] "البلاغ" ۱۴-۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۵ [2] "الہلال" یکم جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۶
[3] "الہلال" یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶ - نیز ملاحظہ فرمایئے الہلال ۸ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶
[4] "الہلال" ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶ - [5] "ترجمان" جلد اول ص ۶۳

۴

سورۃ فرقان

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ
نَذِیْرًاۙ ۱
وَّخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۞ ۲

تمام حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ دنیا جہان کے لیے ڈرانے والا ہو[۱] وہی خدا جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ و جہاندار ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کی جہانداری میں کوئی شریک نہیں اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں، پھر ہر چیز کے لیے (اس کی ضرورت اور حالت کے مطابق) ایک اندازہ ٹھہرا لیا۔

ہر سال حج کا موسم آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوۂ خلیل اللہ جلوہ نما ہوتا ہے .... یہ تو اسوۂ ابراہیمیؑ کی یادگار تھی، لیکن جب وہ آیا جس کے لیے خود ابراہیم خلیلؑ نے خداوند کے حضور التجا کی تھی تو دنیا کے لیے اسوۂ محمدیؐ کی حقیقت الحقائق اعلیٰ رونما ہوئی اور ہدایت و سعادت کی تمام حقیقتیں بے اثر ہوگئیں۔ اس اسوۂ عظیمہ کا سب سے پہلا منظر وہ عالم ملکوتی کا استغراق تھا جبکہ صاحب فرقان نے انسانوں کو ترک کر کے خدا کی صحبت اختیار کر لی تھی اور انسان کے بنائے گھروں کو چھوڑ کر غار حرا کے غیر مصنوع حجرے میں عزلت گزیں ہو گیا تھا۔ اس عالم میں متصل بھوکا پیاسا رہتا تھا اور پوری پوری راتیں جمالِ الٰہی کے نظارے میں بسر کر دیتا تھا، تا آنکہ اس تنگ و تاریک غار کی اندھیاری میں طلیعۂ قرآنی کا لنبے کیف طلوع ہوا اور مشرقستان الوہیت سے نکل کر اس کے قلب مقدس میں غروب ہو گیا....

وہ بھوکا پیاسا رہتا تھا، پس تمام مومنوں کو حکم دیا گیا کہ تم بھی ان ایام (رمضان الذی انزل فیہ القرآن) میں بھوکے پیاسے رہو تاکہ ان برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ جو نزول قرآنی کے ایام اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک تنہا گوشے میں خلوت نشین تھا، پس ایسا ہوا کہ ہزاروں مومن و قانت رو میں ماہ مقدس میں اعتکاف کے لیے مسجد نشین ہونے لگیں۔ اس طرح غار حرا کے اعتکاف کی یاد ہر سال تازہ ہونے لگی۔ وہ راتوں کو حضور الٰہی میں مشغول عبادت رہتا تھا۔ پس پیروان اسوۂ محمدیہ اور متبعین سنت احمدیہ بھی رمضان المبارک کی راتوں میں قیام لیل کرنے لگے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ
هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ
وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ
فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًاۚۛ وَ ۴
قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا
فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۞
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ

کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن اختراع ہے۔ خدا کی طرف سے نہیں۔ محمد نے خود گھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مدد دی ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو پہلوں کی کہانی ہے جسے محمد نے لکھ لیا ہے اور صبح و شام سے پڑھ کر سنایا جاتا ہے[۲]۔

بلاشبہ انھوں نے یہ کہہ کر اپنے اندر گھمنڈ پیدا کیا اور بڑی

---

[۱]۔ الہلال ۵ اگست ۱۹۱۴ء ص ۸۔ البلاغ (۱۴، ۲۱، ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۸) میں اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کیا ہی پاک اور برکتوں کا سرچشمہ ہے ذات اس کی جس نے اپنے برگزیدہ بندے پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ قوموں اور ملکوں ہی نہیں تمام عالموں کی ضلالت کے لیے ڈرانے والا ہو۔

[۲]۔ الہلال ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۱

سورۃ شعراء

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○
(اس نے کہا) اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنا لیا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ ٧٧

اَلَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○
وہ جس نے مجھے پیدا کیا، پھر ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ ٧٨

وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ○
وہ کہ میں بھوکا ہوتا ہوں تو کھلاتا اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ٧٩

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○
ہے اور وہ کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو اپنی رحمت سے ٨٠

وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِىْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْٓـئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○
شفا دیتا ہے اور وہ جو موت کے بعد حیات بخشے گا اور جس کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ کاموں کا بدلہ ملنے کے دن میری خطائیں بخش دے گا[۱]

رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○
خدایا! مجھے نبوت دے اور صلحا میں داخل کر اور آنے ٨٣

وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ ○
والی نسلوں میں میرا دائمی ذکر قائم رکھ۔[۲] ٨٤

حضرت ابراہیمؑ کی سربانۃ اسلام "تھی۔ حقیقت اسلامی میں ان کا وجود اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود ان کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی تھی۔ انھوں نے جب آنکھ کھولی تو ان کے چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے۔ انھوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا، اس کے ہاتھ میں سنگ تراشی کے اوزار اور بتوں کے ڈھانچے تھے۔ وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے۔ جس طرف دیکھا بتوں کے آگے سر جھکے ہوئے تھے۔ جس طرف کان لگایا خدا فراموشی کی صدائیں آ رہی تھیں۔ پھر وہ کون سی چیز تھی۔ جس نے تمام ان چیزوں سے ہٹا کر جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی ہیں، ان کے دل میں ایک ان دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگا دی، ان کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں جنھیں ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں۔ پھر وہ کون تھا جو ان کے اندر بیٹھا ہوا خدائے قدوس کو دیکھ رہا تھا اور اس قدرتی جوش و قوت کے ساتھ جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار یا زمین سے ابلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے؟ ... دراصل یہ وہی حقیقت اسلامیہ تھی، جس نے ان کے وجود کو آنے والی امتوں کے لیے اسوۂ حسنہ بنا دیا۔ صالحین کو ابدی شہرت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ بقا، دوام، استمرار اصلاح کے لازمی خواص ہیں۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○
وہ آخری روز عدالت جبکہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے، نہ اہل و عیال کام آئیں گے (کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی) مگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں "قلب سلیم" ہے۔[۳] ٨٨ ٨٩

یہی وہ انسان کی فطرت اصلی ہے، جسے قرآن کریم نے "اسلام" کے سوا قلب سلیم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ فی الحقیقت اسوۂ ابراہیمی میں سے پہلا اسوہ یہی قلب سلیم یا ذوق فطرت کی صحت ہے۔ مولانا رومؒ کی اس نکتے پر نظر تھی۔ انھوں نے مثنوی کے کئی موقعوں میں اس پر نہایت لطیف بحث کی ہے۔

---

[۱] "الہلال" ٢٧ نومبر ١٩١٣ء ص ٥ [۲] البلاغ" ١٨ فروری ١٩١٦ء ص ١٥

[۳] "الہلال" ٢٧ نومبر ١٩١٣ء ص ٦

ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے اور ہر وجود پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے، جو اسے پچھلوں سے جوڑتا ہے، دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا رشتہ رکھتا ہے جو اسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرے کی کثرت میں پھیل گئی ہے۔ رشتوں اور قرابتوں کا ایسا حلقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی ہر کڑی دوسری سے مربوط ہے۔

	تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ	کیا مبارک ہے ذاتِ قدوس اس کی جس نے آسمان میں
	بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ	(گردش سیارات کے) دائرے بنائے اور اس میں آفتاب
۶۱	قَمَرًا مُّنِیْرًا ○	کی مشعل روشن کر دی، نیز روشن و منور چاند بنایا۔[1]

ملکوت السموات کے ان اجرام عظیمہ کو دیکھو، جن کے مرئیات مدہشہ سے یہ سطح نیلگوں ادراکِ انسانی کا سب سے بڑا منظر تحیّر ہے۔ یہ عظیم الشان قہرمان تجلی جو روز ہمارے سروں پر چمکتا ہے، جس کی فیضان بخشی حیات تمیز قرب و بعد سے ماوراء ہے۔ جس کا جذب و انجذاب کائناتِ عالم کے لیے مرکز قیام ہے، جس کا سرچشمہ ضیاء و نور اجسام سماویہ کے لیے تنہا وسیلۂ تنویر ہے اور جس کا قہر حرارت کسی تجلی گاہ حقیقی کا سب سے بڑا عکس و ظلال ہے۔ غور کرو، اپنے اندر حقیقت اسلامی کی کیسی مؤثر شہادت رکھتا ہے، جس کی جبروت و عظمت کے آگے تمام کائنات عالم کا سر جھکا ہوا ہے۔ کیسے مسلم شعارانہ انکسار کے ساتھ فاطر السموات کے آگے سربسجود ہے کہ ایک لمحے، ایک عشر دقیقہ کے لیے بھی اپنے اعمال و افعال کے مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔

	وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ	اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے وہ ہیں۔
	عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا	جو زمین پر نہایت فروتنی سے چلتے ہیں، اور جب جاہل
	خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا	ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کہہ کر الگ ہو
۶۳	سَلٰمًا ○	جاتے ہیں۔[2]
	اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا	مگر جس شخص نے توبہ کی، ایمان لایا اور عمل صالح کیا تو خدا
۷۰	فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ	اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔[3]

عمل صالح انسان کے دل کو سنوارتا ہے اس لیے پچھلے گناہوں کا جو داغ دل میں ہوتا ہے، اسے بھی مٹا دیتا ہے..... خدا گناہوں کی ناکام زندگی نیکی کی سعید و کامیاب زندگی سے بدل دیتا ہے (مثلاً) حضرت عمرؓ جب تلوار لے کر آنحضرت صلعم کے قتل کے لیے چلے تھے تو یہ تلوار کیسی مفسدانہ نظر آتی تھی مگر اب اس کے ہر جوہر میں ایمان و اصلاح کے جلوے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں کیا یہ نیکی کو بدی سے بدل دینا نہیں؟

---

[1] "الہلال" ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۷

[2] "الہلال" ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء ص ۹

[3] "البلاغ" ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵

سورۃ نمل

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ
وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ع

میرے پروردگار! میں نے (یہ بدگمانی کرکے) اپنی جان پر ظلم
کیا۔ اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین کے لیے
۴۴ مسلمان ہوئی۔[1]

فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا
ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ
یَّعْلَمُوْنَ ۝

اس بے موقع اور بے محل وضع کا نتیجہ دیکھو کہ ان کے
گھر کیسے اجاڑ ہو گئے ہیں؟ حقیقت میں جنھیں علم ہے، ان
۵۲ کے لیے اس ماجرے میں عبرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔[2]

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ
بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا
شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ
جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ
خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا
رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ
حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ
اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ
السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ
الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝
اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور
جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا۔ پھر اس کی بپاشی
سے خوش نما باغ اگا دیئے۔ حالانکہ تمھارے بس کی یہ بات نہ
تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے۔ کیا (ان کاموں کا کرنیوالا)
اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں
۶۰ کی سمجھ پر، حقیقت حال کتنی ہی ظاہر ہو مگر وہ لوگ ہیں، جن
کا شیوہ ہی کج روی ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کون ہے، جس نے زمین
کو (زندگی و معیشت کا) ٹھکانا بنا دیا؟ اس کے درمیان نہریں
جاری کر دیں۔ اس (کی درستگی) کے لیے پہاڑ بلند کر دیے۔
دو دریاؤں میں (دریا اور سمندر میں ایسی) دیوار حائل کر دی ہے،
۶۱ کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محدود رہتے ہیں) کیا اللہ کے ساتھ کوئی
دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس! کتنی واضح بات ہے، مگر ان
لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔ اچھا بتاؤ وہ کون ہے
جو بیقرار دلوں کی پکار سنتا ہے۔ جب وہ (ہر طرف سے مایوس
ہو کر) اسے پکارنے لگتے ہیں اور وہ ان کا درد دکھ ٹال دیتا
۶۲ ہے؟ وہ کہ اس نے تمھیں زمین کا جانشین بنایا ہے۔ کیا اللہ کے
ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ افسوس تمھاری غفلت پر) بہت کم
ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو۔ اچھا بتاؤ وہ کون ہے

---

[1] "الہلال"، ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء ص ۱۶۔ [2] "الہلال" ۹ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۶۔

۱۰۳ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

بیشک اس انقلاب حالت میں عبرت و موعظت کی بہت سی نشانیاں ہیں، مگر ان میں اکثر لوگ ایمان و ایقان کی دولت سے محروم تھے[1]

(انقلاب حالت کے تمام مظاہر) فی الحقیقت انھیں قوانین الٰہیہ اور نوامیس فطریہ کے ماتحت ہیں، جنھیں فاطر السمٰوٰت والارض نے اس عالم کے نظام و قوام کے لیے روز ازل ہی سے مقرر کر دیا ہے۔ پھر جن افراد و اقوام نے ان قوانین کے مطابق راہ امید اختیار کی، ان کے لیے امید کی زندگی ہے اور جنھوں نے اس سے روگردانی کی، ان کے لیے ناکامی و نامرادی کی مایوسی ہے۔ قانون جرم کی سزا دیتا ہے، پر مجرم کو جرم کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتا۔ پس شکایت کارساز قدرت کی نہیں بلکہ خود اپنی ہونی چاہیے۔ خدا نے امید کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا اور زمین کی رات کسی ایک قوم کو ورثے میں نہیں دے دی۔ اس نے پھول اور کانٹے دونوں پیدا کیے اگر ایک بدبخت کانٹوں پر چلتا ہے، مگر پھولوں کو دامن میں جمع نہیں کرتا: تو اسے اپنی محرومی پر رونا چاہیے، باغبان کا کیا قصور؟

۱۹۲ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
۱۹۳ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○
۱۹۴ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ
۱۹۵ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ○ وَاِنَّهٗ
۱۹۶ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○

بیشک وہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔ روح الامین نے تیرے قلب پر نازل کیا تاکہ تو ضلالت و فساد کے نتائج سے دنیا کو ڈرانے والوں میں سے ہو اور سعادت و فلاح کی طرف دعوت دے۔ یہ کلام نہایت کھلی ہوئی اور واضح زبان عربی میں نازل ہوا اور پچھلی کتابوں میں اس کی خبر دی جا چکی تھی[2]

۲۲۶ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ○
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ
انْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ
سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ
۲۲۷ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ○

ان مفسدوں کا یہ حال ہے کہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں، اس کے خلاف عمل کرتے ہیں، البتہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کیے، اللہ کے ذکر میں زیادہ سے زیادہ لگے رہے اور ظلم کا بدلہ لینے میں فتحمندی حاصل کی، بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا اور وہ مظلوم تھے۔ سو ان کا حال ایسا نہیں (اور معلوم کر لینگے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں)[3]

مصلحین کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عدلِ الٰہی کے قیام کے لیے اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دیتے ہیں اور جب کبھی ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو پتھر اور گھاس کی طرح بے حس و حرکت نہیں پڑے رہتے بلکہ انسان کی طرح اٹھتے ہیں اور ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں تاکہ ظالم کو سزا ملے اور عدل قائم ہو۔ اس بارے میں ان کا ارادہ اور فعل دونوں یکساں ہوتے ہیں۔ جیسا کہتے ہیں ویسا کر کے دکھا دیتے ہیں۔ ان کی زندگی کی بنیاد ارادہ نہیں بلکہ عمل ہوتا ہے۔

---

[1] "الہلال" ۹-اپریل ۱۹۱۳ء ص، [2] "الہلال" ۵-اگست ۱۹۱۴ء ص، [3] "البلاغ" ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴۱-

اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ وَاِنَّ
رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی
النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ
لَا یَشْکُرُوْنَ ○

دو، گھبراؤ نہیں، جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے
ہو، عجب نہیں، اس کا ایک حصہ بالکل قریب آ گیا ہو اور
(اے پیغمبر) تمھارا پروردگار انسان کے لیے بڑا ہی فضل رکھنے ۷۲
والا ہے (کہ ہر حال میں اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن
(افسوس انسان کی غفلت پر) بیشتر ایسے ہیں کہ اس کے فضل و رحمت
سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کی ناشکری کرتے ہیں[1] ۷۳

جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے، جو چیز نافع ہوتی ہے، باقی رکھتی ہے، جو نافع نہیں ہوتی، اسے محو کر دیتی ہے، ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ جو عمل حق ہوگا، قائم اور ثابت رہے گا، جو باطل ہوگا، مٹ جائے گا۔ قرآن اسے قضا بالحق سے تعبیر کرتا ہے، یعنی فطرت کا فیصلۂ حق۔ . . .

کیا قضا بالحق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جاتے؟ . . قرآن کہتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اور رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ مادیات کی طرح معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے۔ قرآن میں جابجا ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ منکروں نے پیغمبروں سے کہا، عذاب جلد لے آؤ اور جن نتائج و عواقب سے ڈرا رہے ہو، وہ کیوں ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن کہتا ہے، اگر کائنات ہستی میں اس حقیقت اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا، جسے رحمت کہتے ہیں تو یقیناً یہ نتائج یکایک ظاہر ہو جاتے . . . . قانون رحمت کا مقتضا یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے اور توبہ و رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے۔ فطرتِ کائنات میں اگر "رحمت" نہ ہوتی تو یقیناً وہ جزاء عمل میں جلد باز ہوتی، لیکن اس میں رحمت ہے، اس لیے نہ تو اس کی مہلت بخششوں کی کوئی حد ہے اور نہ اس کے عفو و درگزر کے لیے کوئی کنارہ۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا
الَّیْلَ لِیَسْکُنُوْا فِیْهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○

کیا حکمت و ربوبیت کی اس نشانی کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے
رات کو تو تاریکی قرار دیا تاکہ انسان سوئے اور راحت و سکون
پائے اور دن کو روشن کیا تاکہ وہ سکون کی جگہ حرکت میں بسر
ہو۔ بلاشبہ ارباب ایمان و یقین کے لیے (اس اختلافِ
لیل و نہار اور اس کے اثرات میں حکمتِ ربانی کی) بڑی ۸۶
ہی نشانیاں ہیں[2]

نیند . . . سکون کامل کا نام ہے اس لئے وہ اعضاء انسانیہ میں ہر عضو کی محبوب ہے اور اس قدر محبوب ہے کہ اس کے لطف وصل کو رشک و رقابت منغص نہیں کر سکتے۔ پس اس سے ہر عضو ایک ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بستر خواب سے اٹھنے کے تمام قواء انسانیہ کی تجدید ہو جاتی ہے۔ جسم کے جو پرزے چلتے چلتے گھس گئے تھے وہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتے ہیں اور تمام اعضاء ایک مسرت تازہ، ایک انبساط جدید سے مسلح ہو کر اپنے وظائف طبعیہ کے لیے از سر تیار ہو جاتے ہیں

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ
کُلَّ شَیْءٍ

یہ اللہ ہی کی کاریگری ہے، جس نے ہر چیز خوبی اور درستگی کے ساتھ ۸۸
بنائی ہے[3]

---

[1] ترجمان - جلد اول ص۹۳ [2] البلاغ "۱۲- نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۰- ۱۱ [3] "ترجمان القرآن" جلد اول ص،

مَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ
بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَ
اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى
۶۳ اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝
اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ
يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ
هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ
۶۴ صٰدِقِيۡنَ ۝

جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمھاری رہنمائی کرتا ہے اور (وہ) کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (ہر گز نہیں، اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں۔ اچھا بتاؤ، وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اُسے دہراتا ہے اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانۂ رزق سے تمھیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر) ان سے کہو "اگر تم (اپنے رویے میں) سچے ہو (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس عالم گیر شہادت کے خلاف تمھارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو"[۱]

قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے پھر اس پر بحث و تقریر کر کے مخاطب کو رد و تسلیم پر مجبور کرے۔ اس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے: خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے۔ ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیل پیش کی جائے، لیکن یہ دلیل ایسی نہ ہونی چاہیے، جو محض ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے بلکہ ایسی ہونی چاہیے، جو اس کے نہاں خانۂ دل پر دستک دے دے اور اس کا خفتہ وجدان بیدار کر دے۔

(ان آیات میں جو سوالات ہیں، ان میں سے) ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالم گیر اور مسلمہ اذعان ہے۔ ہمارے متکلموں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی، اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال ان پر واضح نہ ہو سکا اور وہ دور دراز گوشوں میں بھٹک گئے۔ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا
۶۷ تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَاۤ اَئِنَّا لَمُخۡرَجُوۡنَ
لَقَدۡ وُعِدۡنَا هٰذَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا
۶۸ مِنۡ قَبۡلُ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ
وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا
الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ
۷۱ صٰدِقِيۡنَ ۝ قُلۡ عَسٰۤى

کافر کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے اسلاف مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر قبر سے نکالے جائیں گے؟ ہم سے اور ہم سے پہلوں سے یہی وعدے کیے گئے تھے، کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کی کہانی ہے۔[۲]

اور (اے پیغمبر! یہ حقیقت فراموش) کہتے ہیں "اگر تم (نتائج ظلم و طغیان سے ڈرانے میں) سچے ہو تو وہ بات کب ہونے والی ہے؟" اور کیوں نہیں ہو چکتی؟ ان سے کہہ

---

[۱] ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۲، ۵۳۔ ایک ایک ٹکڑا "الہلال" ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۶ اور ۲۴ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۷ پر بھی ملاحظہ فرمایے [۲] الہلال ۱۵ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۱۱

حَزَنًا ۚ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ
۸ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ○

بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور ان کا لشکر غلطی پر تھا، جب کہ دشمن کو اپنے گھر کے اندر پال رہا تھا۔[۱]

(ذکر سلطنت فرعون کا ہے) لیکن غور کرو کہ آیۂ کریمہ کے اندر قرآن کریم نے کس طرح ایک قانون الٰہی کی خبر دے دی۔ وہ بتلاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ و جلال کی نمائش گاہ اور کمزوروں کی ہلاکت کا مقتل ہے۔ طاقتور قومیں کمزوروں کو اپنا غلام اور محکوم بناتی ہیں۔ ان میں پھوٹ ڈالتی ہیں مختلف فرقوں اور گروہوں کو باہم ملنے نہیں دیتیں، کیونکہ اگر وہ مل کر ایک ہو جائیں تو کمزور نہ رہیں اور اتفاق و یگانگت کی طاقت ظالموں کا تخت الٹ دے۔ جابر قوموں کی قوت فنا ہوتی ہے تو ایک عادلانہ نظام قائم ہو جاتا ہے۔ فرعون کی جابرانہ سلطنت کا زوال ایک دوسری قوم کی عادلانہ حکومت کا مقدمہ تھا، اس لیے خدا نے فرعونیوں کی ہلاکت کے ساتھ عدلِ الٰہی کے قیام کا مژدہ بھی سنا دیا۔

خدا تعالےٰ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کا تاج و تخت الٹنے اور بنی اسرائیل کی حکومت قائم کرنے کے لیے ایک تیغ برہنہ کی صورت میں نمایاں کرنا چاہتا تھا، اس لیے دیکھو کس طرح بچپن ہی سے انھیں میدان جنگ کے شدائد و مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا ابھی انھوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ ماں کی آغوشِ محبت سے جدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے لختِ جگر کو دریا کی لہروں میں ڈال دیا۔ لہریں اس امانت مقدس کو اس کے محل تک بہ حفاظت لے گئیں، جس کے سر غرور کو کچلنے کے لیے ایک دن یہ شیر خوار بچہ اٹھنے والا تھا۔ اس میں اللہ کی بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کی پرورش شاہی محل میں ہوگی تو بادشاہوں کے جاہ و جلال باطل کا رعب ان کے دل سے نکل جائیگا۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ
غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا
رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ
مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ
فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ
قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ
۱۵ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○

اور جب کہ تمام لوگ غافل تھے، موسیٰؑ شہر میں آئے اور اس میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ لڑ رہے تھے۔ ان میں ایک آدمی ان کی قوم کا تھا اور دوسرا ان کے دشمن کے گروہ کا۔ موسیٰؑ کو دیکھ کر ان کی قوم کے آدمی نے دشمن کے ظلم کی فریاد کی۔ موسیٰؑ نے اسے ایک ایسا گھونسا مارا کہ وہ مر گیا۔ موسیٰؑ نے دل میں کہا کہ یہ تو ایک شیطانی کام ہو گیا
بیشک شیطان انسان کا گمراہ کن دشمن ہے۔[۱]

(بنی اسرائیل کے خلاف مصریوں کا) یہ ظالمانہ طرزِ عمل صرف فرعون کے قصر شاہی تک محدود نہ تھا، بلکہ اس کا نظارہ ہر گلی کوچے میں دیکھا جا سکتا تھا۔ حاکم قوم اپنی قومی حکومت کے گھمنڈ میں بنی اسرائیل کے ہر فرد کو اپنا زر خرید غلام سمجھتی تھی (ظلم کی ہمہ گیری کے ثبوت میں صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ بازار میں ظلم کے واقعات نظر آئے)

فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ

اب موسیٰؑ شہر میں خوف زدہ ہو کر جھپنے لگے۔ انتظار

سورة قصص

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ
وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ
طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي
نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَن
نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَ
نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَ
نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ
نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَ
جُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا
يَحْذَرُونَ ۝
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ
أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ
عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ
وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي
إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ
الْمُرْسَلِينَ ۝ فَالْتَقَطَهُ آلُ
فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَ

فرعون نے خدا کی زمین میں بہت سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں میں پھوٹ ڈال کر گروہ در گروہ کر دیا۔ ان میں سے ایک جماعت کو اس قدر کمزور رکھتا اور ابھرنے نہ دیتا کہ اُن کے فرزندوں کو قتل کرتا اور انکے اعراض و ناموس کو برباد کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ زمین کے مفسدوں میں سے بڑا ہی مفسد تھا۔ با ایں ہمہ ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ جو قوم ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی، اس پر احسان کریں۔ اسی قوم کے لوگوں کو سرداری و ریاست بخشیں، سلطنت کا وارث بنائیں اور انھیں کی حکومت ملک میں قائم کرا دیں۔ فرعون و ہامان اور حکمران قوم کو جس ضعیف قوم کی طرف سے بغاوت و خروج کا کھٹکا لگا رہتا تھا اور جس کے لیے وہ انھیں کمزور رکھتے تھے، وہی ان کے سامنے لائیں[1]

اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اسے دودھ پلائے اور اگر فرعون کے ظلم کی وجہ سے اس کی جان کا خوف ہو تو دریا میں ڈال دے اور کسی قسم کا خوف یا غم نہ کرے۔ ہم تیرے لختِ جگر کو تیری گود میں واپس کر دیں گے۔ اور اسے اپنا پیغمبر بنائیں گے[2]

پھر آلِ فرعون نے اسے دریا سے نکال لیا اور پرورش کیا تاکہ آگے چل کر ان کا دشمن اور سرمایۂ رنج و غم

---

[1] الہلال، یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷۔۸۔ "البلاغ" ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰۔
[2] ایضاً

مصر سے نکل کر انھیں خدا کے اس صالح بندے کی باریابی کا شرف حاصل ہوا جو مصر کی غلامانہ اور مستبدانہ آبادی کی جگہ آزادی کی آب و ہوا میں آزادانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ حریت کے لیے یہ دوسری منزل تھی کہ ایک آزاد و خود مختار سرزمین میں رہ کر آنے والے وقت کے لیے تیار ہوں۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ
وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ
جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ
امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ
مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ
تَصْطَلُوْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ
شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ
الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ
اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا
تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا
وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ
وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ
الْاٰمِنِیْنَ ○

جب موسیٰؑ نے شعیبؑ کی خدمت میں اپنے درس فکر
کے دن پورے کر لیے اور اہل و عیال کو لے کر وہاں
سے چلے[1] تو طور کے دامن میں آگ نظر آئی۔ انھوں نے
بیوی سے کہا، تم لوگ ٹھہرو، میں آگ کا پتا لگاؤں یا انگارہ
ساتھ لے آؤں تاکہ تمھارے کے کام آئے، لیکن
۲۹ جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو وادیِ ایمن کے
کنارے (برکت والی جگہ میں ایک درخت) سے ایک
ربانی صدا اٹھی! اے موسیٰؑ! یہ آگ نہیں جس کے
۳۰ لیے تم دوڑے ہو، بلکہ میں ہوں (اللہ) تمام دنیا کا پالنے والا[2]
اور اے موسیٰؑ! اپنی لاٹھی پھینک دو۔ جب موسیٰؑ نے
لاٹھی کو دیکھا تو وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی تھی۔
وہ ڈرے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ (خدا نے کہا) اے
موسیٰؑ! آگے بڑھو، کیونکہ تمھیں آگے ہی بڑھانے کے
۳۱ لیے یہ سب کچھ کیا گیا ہے اور خوف نہ کرو، تم ہمیشہ امن
میں رہو گے[3]

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ
بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ
اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو، وہ اس کے اندر سے
چمکتا ہوا نکلے گا اور اس سے تمھیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔
اپنے بازو کو سمیٹ لو۔ تمھارے خدا کی طرف سے
فرعون اور اس کی قوم کے لئے یہ دو نشانیاں ہیں۔

---

[1] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چلنا مصر کی جانب نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کسی ایسی جگہ جانا چاہتے تھے، جہاں سے اپنے اقربا اور ہم قوموں کے ساتھ مخابرت سہل ہو جائے۔ اگر مصر جانے کا فیصلہ کر چکے تھے تو پھر عطائے نبوت کے سلسلے میں اس عذر کا کونسا موقع تھا کہ میں نے ان کا ایک آدمی مار دیا تھا اور وہ مجھے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ (مرتب کتاب)

[2] "البلاغ" ۱۴، ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱، اس کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ "البلاغ" ۲۶، نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲ پر بھی ملاحظہ فرمائیے

[3] ایضاً ص ۱۲، نیز "البلاغ" ۲۸۔ جنوری، ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱۔

فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ
يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ
۱۸ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ۝ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ
أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا
قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا
أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ
۱۹ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ
أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ
الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي
۲۰ لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا
خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ
۲۱ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝
وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ
قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي
۲۲ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

پھر وہی پہلا سا موقع پیش آگیا اور جس شخص نے کل ان سے مدد طلب کی تھی، اس نے آج پھر فریاد کی۔ موسیٰ نے کہا، تو تو بڑا گمراہ آدمی ہے۔ پھر جب موسیٰ نے اس قبطی پر حملہ کرنا چاہا، جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا: کیوں موسیٰ! جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، کیا آج اسی طرح مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟ تم زمین میں ظالم بن کر رہنا چاہتے ہو، امن دوست بننا تمھیں پسند نہیں[1]۔

اور شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہا کہ اے موسیٰ! ارکان سلطنت تمھارے قتل کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں۔ اب تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمھیں خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں۔ موسیٰ شہر سے خوفزدہ ہو کر خفیہ طور پر نکلے اور خدا کی جناب میں دعا مانگی کہ خداوندا! مجھے ظالموں کے پنجے سے نجات دے[2]۔

جب موسیٰ مصر سے نکل کر مدین کی طرف روانہ ہوئے تو کہا کہ خدا مجھے ضرور سیدھا راستہ دکھائے گا[3]۔

فرعون کے غلبے اور جبر و استبداد کے خوف سے موسیٰ گھبرا گئے لیکن قومی حمیت کی آگ دل میں برابر سلگتی رہی۔ سوءِ اتفاق سے دوسرے دن پھر وہی ناگوار موقع پیش آگیا۔
شہر میں اس واقعے کی شہرت ہو گئی اور حضرت موسیٰ کے سامنے جلاوطنی کا وہ مقدس مرحلہ پیش آگیا جو ہر حقانی جدوجہد کی پہلی منزل ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ
نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ
۲۵ الظَّالِمِينَ ۝

جب موسیٰ شعیب کے پاس مدین میں آئے اور ان سے اپنے واقعات بیان کیے تو انھوں نے حوصلہ افزائی کی اور کہا، مت ڈرو، تم نے ظالم قوم کے پنجے سے نجات حاصل کر لی[4]۔

---

[1] "البلاغ" ۱۴، ۱۲ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۲
[2] "البلاغ" ۱۴، ۱۲ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱
[3] ایضاً
[4] "البلاغ" ۲۸ رجب ۱۳۳۴ھ، ۲۳ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱

خدا تعالیٰ کو دنیا کے ایک سب سے بڑے سرکش اور مستبد بادشاہ اور سب سے بڑی ظالم حکمران قوم کو ہلاک کرنا منظور تھا لیکن ابھی حضرت موسیٰؑ اس راہ کے پہلے مرحلے میں تھے اور اقتضائے بشریت سے ان کے دل میں خوف و ہراس باقی تھا۔ وہ جب اپنی تنہائی اور فرعونیوں کی کثرت و قوت کا مقابلہ کرتے تھے تو قدرتی طور پر ان کے اندر ہراس پیدا ہو جاتا تھا۔ پس قوت مربیۂ الٰہی نے سب سے پہلے ان کے قلب کو مختلف طریقوں سے عزم و ثبات کا کامل جوہر بخشا اور دکھلا دیا کہ طاقت صرف انسانوں کی قلت و کثرت میں مخفی نہیں۔ حق اور ربانی نصرت کی روح سے معمور ہو کر ایک تنہا انسان لاکھوں انسانوں پر غالب آ سکتا ہے۔ موسیٰؑ کے ہاتھ نے اب تک تلوار کا قبضہ نہیں پکڑا تھا، لیکن خدا نے ان کو دکھا دیا کہ جو ہاتھ حق کی حمایت میں اٹھتا ہے، اس کے پاس گو لوہے کی تلوار نہ ہو، لیکن وہ خود اپنی انگلیوں ہی کے اندر تلوار کی چمک رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اگرچہ معجزاتِ آلاتِ حرب سے مسلح ہو گئے تھے، لیکن سیاسی میدان میں تلوار کی چمک اور توپوں کی گرج سے زیادہ دل کی قوت اور زبان کی طلاقت و روانی کام آتی ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کمزوریوں کا عذر کیا۔ خدا نے ان کی تمام دعائیں قبول کیں اور حضرت ہارونؑ کی مدد سے ان کے دست و بازو کو قوی تر کر دیا۔

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا
يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا
مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ
بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ
مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ
إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ
الْوَارِثِينَ ○
وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ
حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا
كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ
إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ○

کیا ہم نے انھیں حرام سرائے امن میں جگہ نہیں دی
جہاں ہر چیز کا ثمرہ کھنچا چلا آتا ہے؟ ہمارے ہاں
سے انھیں رزق پہنچتا ہے، لیکن اکثروں کو یہ بھی علم
57 نہیں[1] اور کتنی ہی آبادیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر
دیا، حالانکہ اسباب حیات و معیشت سے وہ مالا مال
تھیں۔ یہ بربادی کے خرابے اور تباہی کے کھنڈر انھیں
لوگوں کے گھر ہیں جو پھر آباد نہ ہو سکے اور آخر کار ان کے
58 مال و متاع کے ہم ہی وارث ہوئے[2]
اور یاد رکھو تمھارے پروردگار کا قانون یہ ہے کہ وہ کبھی
انسانوں کی بستیوں کو (پاداش عمل میں) ہلاک نہیں کرتا جب
تک کہ ان میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کر دے اور وہ خدا کی
آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے
59 والے نہیں، مگر صرف اس حالت میں کہ ان کے باشندوں
نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو[3]

تماشاگاہ ہستی کا ایک بہت بڑا منظر وہ تغیرات ہیں جن کے طوفان قوموں اور ملکوں کے اندر اٹھتے ہیں اور بڑی بڑی آبادیوں کو

---

[1] "الہلال" ١٦ جولائی ١٩١٣ء ص ١٠ [2] "الہلال" ۵ اگست ١٩١٤ء ص ١٠ نیز الہلال ٦ جولائی ١٩١٣ء ص ١٠
[3] "ترجمان القرآن" جلد اول ص ١٨٢۔ نیز دیکھیے "الہلال" ١٧ ستمبر ١٩١٣ء ص ۵۔

۳۲ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ○
قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ
۳۳ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ○
وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي
لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا
يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن
۳۴ يُكَذِّبُونِ ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا
سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا
بِآيَاتِنَا أَنتُمَا وَمَنِ
۳۵ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ ○

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے عدالتِ الٰہی کا قانون توڑ دیا اور اللہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے[1]۔ موسیٰ نے کہا! الٰہی میں نے ان کی قوم کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، ایسا نہ ہو کہ اس کے عوض وہ مجھے قتل کر دیں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح مقرر ہے، اسے میرا حامی بنا کر میرے ساتھ کر دے کہ وہ میری تصدیق کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں[2] (خدا نے کہا) ہم تیرے بھائی کے ذریعے سے تیرے دست و بازو کو قوی کر دیں گے اور تم دونوں کو اپنے معجزاتِ قاہرہ کی برکت سے ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ لوگ تمھارے پاس پھٹک بھی نہ سکیں گے۔ صرف تمھیں اور تمھارے ساتھیوں ہی کو غلبہ حاصل ہو گا[3]۔

فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا
بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ
مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي
۳۶ آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ
رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ
مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ
عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
۳۷ الظَّالِمُونَ ○

(پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی ہوئی، بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے باندھا ہوا اور ہم نے سنا نہیں، یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں[4]) اور موسیٰ نے کہا: اے لوگو! مجھے جھٹلانے میں جلدی نہ کرو، خدا خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی طرف سے سچائی لے کر آیا اور آخر کار کس کے ہاتھ نتیجے کی کامیابی آنے والی ہے۔ یقین کرو کہ خدا کبھی ان لوگوں کو فلاح نہیں دیتا جو برسرِ ناحق ہیں[5]۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا
عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي

اور فرعون نے اپنے ارکانِ سلطنت سے کہا: میں اپنے سوا نہیں جانتا کہ تمھارا اور بھی کوئی خدا ہے[6]۔

---

[1] ”البلاغ“ ۱۴/۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۲، ”البلاغ“ ۲۸ جنوری و ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱ - [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] یہ ترجمہ شیخ الہند مرحوم کا ہے جو اس لیے نقل کیا کہ ایک آیت کے رہ جانے سے خلا پیدا نہ ہو۔

[5] ”الہلال“ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶۔

[6] ”البلاغ“ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۲۔

لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ٨٣

تو خدا کی زمین میں برائی اور سرکشی کرنا چاہتے ہوں اور نہ ہی زمین کا فساد انھیں پسند ہو اور انجام کار انھیں لوگوں کیلئے بہتر ہے جو متقی ہیں

جو شخص دنیا میں صرف غلبہ و قہر اور جبر و استبداد پھیلانا چاہتا ہے وہ مفسد ہے۔ اس کے یہ اعمال مفسدانہ ہیں۔

سورۃ عنکبوت

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ ٢
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ ٣
أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ ٤

کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے ایمانداری اور راستبازی کا دعوے کریں گے اور بغیر آزمائے ہوئے چھوڑ دیے جائیں گے؟ (حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں خدا نے انھیں بھی آزمائش میں ڈالا تھا اور یہ ناگزیر ہے پس) عنقریب خدا ان لوگوں کو معلوم کر کے رہے گا، جو اپنے دعوائے صداقت میں سچے ہیں اور انھیں بھی، جو اپنے اندر جھوٹ کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ جن لوگوں کی قوتیں اعمال بد میں خرچ ہو رہی ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے؟ اگر ایسا سمجھتے ہیں تو یہ کیا ہی بُری سمجھ اور کیا ہی بُرا فیصلہ ہے[1]

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

اور یاد رکھو کہ جو سچائی اور راستبازی کی راہ میں تکلیف اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے لیا کرتا ہے، خدا دنیا کے تمام لوگوں اور ان کے اعمال سے بے نیاز ہے[2]

أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝

کیا اللہ تعالیٰ ان چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف نہیں جو دنیا کے سینوں میں مدفون ہیں[3]

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا

(لوط نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم لوگ خلاف وضع فطری کے مرتکب ہوتے ہو، دن دہاڑے ڈاکے مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں علانیہ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہو؟[5] (پس اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کیا تھا کہ بولے

[1] البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷ [2] الہلال ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۲ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۲ [5] البلاغ ۲۰ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۰

تہ وبالا کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آبادیوں کی جگہ ویرانیوں سے مبدل ہو جاتی ہے۔ زندگی کی رونق پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے اور انسانی عیش و نشاط کے بڑے بڑے محل مدفن قبور و مقبرہ اموات و خرابہ سلب و نہب ہو کر نابود و مفقود ہو جاتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ یہ بات عدلِ الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک گروہ اپنے اعمالِ بد کے لیے جواب دہ ٹھہرایا جائے حالانکہ اس کی ہدایت کے لیے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
۷۳ تَشْكُرُوْنَ ○

اور (دیکھو) یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن الگ الگ ٹھہرا دیے تاکہ رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو۔ (کاروبارِ معیشت میں سرگرم ۔ نیز) اور تاکہ تم شکر گزار ہو۔[1]

اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ
۷۷ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○

(اے قارون) انسانوں پر احسان کر۔ جیسا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین پر فساد نہ پھیلا۔ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔[2]

ایک شخص کے پاس بہت دولت ہے اس کی مزدوروں سے بہت روپیہ بچ رہتا ہے۔ دوسرے انسان محتاج ہیں۔ ان کی حالت کی اصلاح کی ضرورت ہے، مگر وہ شخص اپنے خزانے مقفل رکھتا ہے اور خدا کے بندوں کے لیے خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے کچھ نکالنا نہیں چاہتا (تو یہ فساد ہے)

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ
۷۹ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ
ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ
۸۰ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○

ان لوگوں نے جو دنیوی زندگی کے طالب تھے، حسرت کھائی کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ ہوتا، جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ کیسا بڑا نصیبہ ور ہے، مگر جو لوگ صاحب علم و سعادت تھے، انھوں نے کہا کہ یہ کونسی چیز ہے، جس کے لیے حسرت کر رہے ہو؟ صد افسوس تم پر! اصل نعمت تو اللہ کا وہ بدلہ ہے جو صالحوں کو ان کے اعمال کا ملتا ہے اور خدا کے مومن و صالح بندوں کے لیے وہی سب سے بڑی چیز ہے۔[3]

علماء کا دل حرص و طمع سے خالی ہوتا ہے۔ رشک و حسد سے انھیں نفرت ہوتی ہے وہ جزائے اخروی کے آگے دنیوی دولت کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ

یہ آخرت کا گھر صرف ان ہی لوگوں کے لیے بنائیں گے، جو نہ

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۸۱ [2] "البلاغ" ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۶ [3] "البلاغ" ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵

ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام و قانون میں منسلک ہے اور کوئی شے نہیں جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو۔ (یہ تخلیق بالحق کے عالمگیر قانون کی کارفرمائی ہے۔)

جو قبیح کام ہوں، جیسے حرام کاری، ان کو "فحشا" کہتے ہیں اور قانونِ اسلام نے جس چیز کی اجازت نہ دی ہو، وہ منکر ہے اس کی تفسیر میں ابوالعالیہ کا قول ہے کہ نماز میں تین خصلتیں ہیں، ان میں سے کوئی بھی خصلت کسی نماز میں نہ ہو تو وہ نماز ہی نہیں۔ خصلتیں یہ ہیں: خلوص، خوف خدا، یاد الٰہی، خلوص کا فعل یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو نیک کام کا حکم دیتا ہے، خوف خدا اسے بدی سے روکتا ہے اور یاد الٰہی (قرآن) کا فعل امر و نہی دونوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اَوَ لَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ○

کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے، جو انھیں (برابر سنائی جا رہی ہے؟ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں) بلاشبہ ان کے لیے اس (نشانی) میں سرتاسر رحمت اور فہم و
۵۱ بصیرت ہے۔[۱]

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ۚ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○

ان لوگوں سے کہہ دو، اب کسی رد و کد کی ضرورت نہیں، میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اس کے علم میں ہے پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں تو یقیناً وہی ہیں، جو
۵۲ تباہ ہونے والے ہیں۔[۲]

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ

اور یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں (انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں کہ اگر واقعی عذاب

۵۳ لَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ○ آنے والا ہے تو کیوں نہیں آچکتا) اور واقعہ یہ ہے
کہ اگر ایک خاص وقت نہ ٹھہرا دیا گیا ہوتا تو کب کا عذاب آچکا ہوتا) اور یقین رکھو جب وہ آئے گا تو
اس طرح آئے گا کہ) یکایک ان پر آگرے گا اور انھیں اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا![۳]

(قرآن) رحمت سے وحی و تنزیل کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے وہ کہتا ہے، جو رحمت کارخانہ ہستی کے ہر گوشے میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے، کیوں کر ممکن ہے کہ انسان کی معنوی ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا؟ یہی وجہ ہے کہ اس نے جا بجا نزول وحی، ترسیل کتب اور بعثت انبیاء کو رحمت سے تعبیر کیا ہے

---

[۱] ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۰۔
[۲] ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۵۔
[۳] ایضاً ص ۵۲

۲۹ ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لا دکھا۔

جو انسان ایک وقت میں اپنے بچوں کی قوتِ احتساب کو ترقی دے سکتا تھا ایک وقت آتا ہے کہ خود اپنی قوت محتسبہ کو فنا کر دیتا ہے اور اس کے تمام حواس ظاہری و باطنی خارجی ضلالت کے اثر سے معطل ہو کر رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ ہر شخص علانیہ منکرات و معاصی کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت صالحہ و سلیمہ کو یک قلم مسخ کر لیتا ہے (یہی حال قوم لوط کا تھا)

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ

۴۱ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

ان لوگوں کی مثال، جو اللہ کے سوا اور لوگوں سے دوستی کرتے ہیں، مکڑی کی ہے۔ مکڑی گھر بنانے کو تو بناتی ہے، مگر گھروں میں کمزور ترین اس کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے![1]

جو کام رشتہ الٰہی اور تعلق ایمانی کی قوت سے خالی ہوتے ہیں، ان کی ہستی مکڑی کے جالے کی طرح ہوتی ہے کہ جب تک وہ قائم ہے، نہایت مرتب و منظم نظر آتا ہے، لیکن جونہی ہوا کی ایک ہلکی سی موج بھی اس پر سے گزری وہ ھباءً منثورا ہو گیا۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

۴۴ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور بلا شبہ اس باب میں ارباب ایمان کے لیے (معرفت حق) کی بڑی نشانیاں ہیں[2]

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

۴۵ مَا تَصْنَعُوْنَ ○

کتاب میں تم پر جو وحی اتری ہے، اسے پڑھو اور نماز کو درست طریق پر ادا کرو۔ حقیقت میں نماز تمام بد اخلاقیوں اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے برتر ہے۔ اللہ تمہاری کاری گری کو خوب جانتا ہے۔[3]

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا

۴۶ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ○ۖ

اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر بہ طریق پسندیدہ[4]۔۔۔

انسان عقل و بصیرت سے کام لے تو دیکھے گا کہ کائناتِ خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح واقع ہوئی

---

[1] "الہلال" ۱۳-اپریل ۱۹۱۳ء ص ۵

[2] "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۴۸

[3] "الہلال" ۴ " ۱۱ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۲۰

[4] "الہلال" ۵-اگست ۱۹۱۲ء ص ۹۔

(قدرت الٰہی کا اس سے بڑا نشان کیا ہوگا کہ) چند پتھروں سے چنی ہوئی چاردیواری (حرم کعبہ) کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا کہ پانچ ہزار برس کے اندر انقلاب ارضیہ و سماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں میں بدل دیا لیکن آج تک اس (چاردیواری) کی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور کوئی مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی، یہاں تک کہ تاریخ عالم میں یہی ایک سرزمین ہے جس کی نسبت تاریخ دعوے کر سکتی ہے کہ اس کی مقدس اور محترم خاک آج تک غیر قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ و معصوم ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جانفشانی کی ضروری ہے کہ ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو نیک کردار ہیں۔[۱]

ہدایت کے چار مرتبے ہیں یعنی ہدایت وجدان، ہدایت حواس، ہدایت عقل اور ہدایت وحی۔ پہلے دو مرتبوں میں انسان اور حیوان مشترک ہیں۔ جوہر عقل اس قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی پیدا کر دی عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے اور نہ مؤثر (لہٰذا) اللہ کی ربوبیت نے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت کا بھی سامان کر دیا یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے انسان کی روحانی سعادت و شقاوت وحی و نبوت ہی کی ہدایت سے متعلق ہے۔

۱؎ "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۷۹، نیز ص ۱۷۱۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو "الہلال" ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء

حق و صداقت کے لیے یہی اللہ کی وہ شہادت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا، یعنی قضا بالحق کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھ کر اور اس کے حریف کو محو و متلاشی کر کے حقیقت کا اعلان کر دیتا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ

۵۶ فَاعْبُدُوْنِ ○

اے میرے بندو کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو، یقین کرو کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے ہی میں مقیم نہیں، پس میرے ہی آگے جھکو اور صرف میری ہی بندگی کرو[۵۱]

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى

۶۱ يُؤْفَكُوْنَ ○

اور اگر ان (مشرکین عرب) سے تم پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے اور سورج اور چاند کو اس ترتیب و نظام عجیب پر مسخر کر دیا؟ تو بے اختیار بول اٹھیں گے کہ کوئی نہیں صرف اللہ۔ جب حالت یہ ہے تو پھر یہ گمراہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں[۵۲]

توحید اسلامی کے متعلق ایک یہ عالم گیر ضلالت ہے جس میں آج مختلف صورتوں کے اندر عالم اسلامی گرفتار ہے۔ لوگ بھول گئے ہیں کہ اسلام کا مایہ شرف محض اعتقاد توحید نہیں بلکہ تکمیل توحید ہے اور تکمیل توحید کی اصل و اساس توحید فی الصفات ہے۔ مشرکین مکہ کبھی بھی خدا کے منکر نہ تھے۔ وہ کبھی یہ نہیں کہتے تھے کہ جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں، یہی خالق ارض و سماوات ہیں۔ خدا کے سوا کسی سے ڈرنا یا کسی کے احترام و عظمت کا ذکر اس طرح کرنا جو خدا کا حق خالص تھا یا ان کے لیے جھکنا یا دنیوی اغراض کو نصب العین بنانا، غرض اس قسم کی سب چیزیں شرک فی الصفات ہیں، اس لیے منافی توحید یہی حالت مشرکین عرب کی تھی)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ

۶۴ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق الٰہی سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشوں کے بہلانے کا ایک کھیل ہے۔ اصلی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے جس کے لیے اس زندگی کو طیار کرنا چاہیے (کاش وہ جانتے)[۵۳]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ

۶۷ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ○

کیا ہماری اس قدرت کی نشانی کو لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم مکہ کو (جو ایک غیر معروف بے رونق خطہ تھا) امن اور حفاظت کا گھر بنا دیا اور ایک عالم نے اس کے اردگرد ہجوم کیا۔ پھر کیا لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں؟[۵۴]

---

۵۱ "البلاغ" ۱۵، ۱۴، ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء ص اول

۵۲ "الہلال" ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵،

۵۳ "الہلال" یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۸

۵۴ "الہلال" ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ 9

انھیں دکھائی گئیں تو انھوں نے سرکشی و بغاوت سے جھٹلا دیا اللہ برباد و فنا ہو گئے۔ خدا ظلم کرنے والا نہیں تھا، لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا[1]

قرآن مجید نے امم سابقہ اقوام ہیٔں کا تذکرہ صرف اس لیے کیا ہے کہ "قانون ہدایت و شقاوت" کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائے۔ جب انھوں نے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی تو کوئی انسانی سعی و تلاش فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی، یہاں تک کہ آج ان کے آثار بھی دنیا میں باقی نہیں۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ 18

پس پاکی ہے اللہ کے لیے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لیے ستائش ہے۔ جب تم پر شام آتی ہے، جب تم پر صبح آتی ہے اور جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر آتی ہے[2]

رات اور دن کا اختلاف صرف رات اور دن ہی کا اختلاف نہیں بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گزرتا اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہے۔ ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے۔ صبح طلوع ہوتی ہے اور اس کی ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ دن ڈھلتا ہے اور اس کا ایک خاص منظر ہوتا ہے۔ اوقات کا یہ روزانہ اختلاف ہمارے احساسات کا ذائقہ بدلتا رہتا ہے اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدل و تجدد کی سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور (دیکھو) اس کی (رحمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) تاکہ اس کی وجہ سے تمھیں سکون حاصل ہو اور پھر اس کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ تمہارے درمیان (اور مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے

---

[1] "الہلال" ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۸۔ ۲۴ جون ۱۹۱۲ء کے "الہلال" ص ۵ اس کا ترجمہ یوں ہے: پس تمام برائیاں اور ہر طرح کی تقدیس اللہ کے لیے ہو جبکہ تم پر شام آتی ہے اور جبکہ تم صبح کو اٹھتے ہو اور تمام حمد و ثنا اسی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمین میں نیز دن کے ڈھلتے ہوئے اور جبکہ تم دوپہر کی روشنی میں ہو۔

سورۃ روم

۴ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝
بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
۵ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ
اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ
وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
۶ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا
مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ
۷ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝
اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
۸ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۗ

وہ دن ہوگا کہ اللہ کی مدد و نصرت کے ظہور سے ایمان والوں کے لیے خوشی اور راحت ہوگی۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ وہ عزیز و رحیم ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ البتہ بہت سے لوگ ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ ہیں جن کا علم دنیا کی ظاہری زندگی تک محدود ہے۔ آخرت سے وہ بالکل غافل ہوگئے ہیں[1]

کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، محض بیکار و عبث نہیں بنایا؟ ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہو اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہو۔ اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات سے یک قلم منکر ہیں[2]

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں، ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں تھیں، جو ان سے تمدن و ترقیات اور قوائے جسمانی میں بڑھ کر قومی تھیں انھوں، نے زمین پر اپنے کاموں کے نشان چھوڑے اور جس قدر تم نے اسے متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انھوں نے تمدن پھیلایا لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں

[1] "الہلال" ۸ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۸ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۰

سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے جسے زندگی کی سب چپقلیاں اور پریشانیاں ہلا نہ سکیں۔ مودت سے مقصود محبت ہے۔ قرآن کے نزدیک ازدواجی زندگی کی تمام تر بنیاد محبت پر ہے، لیکن محبت کا رشتہ پائدار نہیں ہو سکتا، اگر رحمت کا سورج دلوں پر نہ چمکے۔ رحمت سے مقصود یہ ہے کہ شوہر اور بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبت کریں، بلکہ ایک دوسرے کی خطائیں اور غلطیاں بخش دینے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں نظر انداز کر دینے کے لیے اپنے دلوں کو تیار رکھیں۔ رحمت کا جذبہ خود غرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت کی شکل دے دیتا ہے۔ خود غرض محبت کرنے والا صرف اپنی ہستی کو سامنے رکھتا ہے، لیکن رحیمانہ محبت کرنے والا اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور دوسرے کی ہستی کو مقدم رکھتا ہے۔ رحمت ہمیشہ اس سے تقاضا کرے گی کہ دوسرے کی کمزوریوں پر رحم کرے، غلطیاں اور خطائیں بخش دے، غصہ غضب اور انتقام کی پرچھائیں بھی اپنے دل پر نہ پڑنے دے۔

قرآن حکیم نے جہاں کہیں قدرت الٰہی اور مظاہر خلقت کے عجائب و غرائب پر انسان کو توجہ دلائی ہے، وہاں خاص طور پر رنگوں کے مظاہر متنوعہ و عجائب مختلفہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اختلاف الوان کے متعلق جو کچھ شارحین وعالمین علم نے تحقیق کیا ہے، اس میں ابھی تحقیق مزید کی بہت بڑی گنجائش ہے موجودہ تحقیقات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف الوان کے اندر حکمت الٰہیہ نے بعض عجیب و غریب اسرار و مصالح رکھے ہیں۔ آگے چل کر نہیں معلوم اور کس قدر اسرار منکشف ہوں۔ قرآن حکیم نے اس زمانے میں جب کہ انسان کی معلومات محدود تھیں، اختلاف الوان کو اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانی قرار دیا۔ پھر کیا یہ اسی کا "قول" نہیں جس کے "فعل" کے اسرار و مقاصد کی تحقیقات جاری ہے؟

دنیا عالم کون و فساد ہے۔ یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے۔ کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لیے ہے کہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے۔ سمندر میں طوفان نہ اٹھتے تو میدانوں کو زندگی و شادابی کے لیے ایک قطرۂ بارش میسر نہ آتا۔ اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا۔ اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ اس کرہ کی سطح پارہ پارہ کر دیتا۔ تم بول اٹھو گے یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشوونما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہوتا۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ	اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس	
الْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○	کا ہے اور سب اسی کے حکم کے تابع اور منقاد ہیں[1]	۲۶
فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط	تم ہر طرف سے منہ پھیر کر "الدین" کی طرف رخ	
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط	کرو۔ یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے	
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط	اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔	
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ قلا وَلٰكِنَّ	یہی "الدین القیم" (سیدھا اور سچا دین) ہے، لیکن	
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○	اکثر انسان ایسے ہیں، جو نہیں جانتے۔ (دیکھو) سب ایک	۳۰
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا	خدا کی طرف متوجہ رہو۔ اس کی نافرمانی سے بچو اور	
الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○	مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ کہ جنہوں نے اپنے دین	۳۱
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ	کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور گروہ بندیوں میں بٹ	

[1] الہلال نمبر ۴۔ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶

يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ
خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ○
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ
۲۳ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
۲۴ يَّعْقِلُوْنَ ○

والے ہیں اس میں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں[1]
اور حکمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی،
آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے اور طرح طرح بولیوں
اور رنگوں کا پیدا ہونا۔ فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں
ہیں ارباب علم و حکمت کے لیے[2]

اور خدا کی آیات میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو خدا
کے احسان تلاش کرنا ہے[3] (اس میں سننے والوں کے
لیے بڑی نشانیاں ہیں)

اور (دیکھو) اس کی (قدرت و حکمت کی) نشانیوں
میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک
نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں
کی حالتیں طاری ہو جاتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا
ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ
جی اٹھتی ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے
لیے جو عقل و بینش رکھتے ہیں (حکمت الٰہی کی) بڑی ہی
نشانیاں ہیں[4]

(قانون فطرت) نے انسان کو دو مختلف جنسوں (مرد اور عورت) میں تقسیم کر دیا، پھر ان میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب
کے کچھ ایسے وجدانی احساسات ودیعت کر دیے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے تاکہ محبت اور
سکون ہو اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت و اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل و گوارا ہو جائیں۔
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تین چیزیں پیدا کیں جن کے بغیر انسان مطمئن اور خوشحال زندگی بسر
نہیں کر سکتے یعنی:

۱۔ سکون
۲۔ مودت
۳۔ رحمت

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۳، الہلال ۳۔ جون ۱۹۱۴ء ص ۱۲ [2] الہلال ۲۳۔ جون ۱۹۱۳ء ص ۶ [3] البلاغ ۱۱۔ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۰
[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۰، نیز الہلال ۱۵۔ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۹ اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ وہ تم کو ڈراتے اور
امید کرنے کے لیے بجلی دکھلاتا ہے پھر آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے سے زمین کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک
عقلمندوں کے لیے ان باتوں میں قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔

کا مقتضا یہی تھا کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے تقسیم ہو۔ یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا مگر یہ ربوبیت ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہو گئیں۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۵۰

پس رحمت الٰہی کی ان نشانیوں کو دیکھو کہ کیوں کر وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشتا ہے۔ بیشک وہ موت کو زندگی سے بدل دینے والا ہے اور ہر شے پر قادر ہے[1]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُؔعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُؔعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُؔعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ ۵۴

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے پھر قوت کے بعد ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے[2]۔

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ قوم پیدا ہوتی ہے۔ بچپنے کا عہد بےفکری کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ وقت کاروبارِ زندگی کا اصلی اور قومی صحت و تندرستی کا عہد نشاط ہوتا ہے۔ جہاں جاتی ہے، اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے، دنیا اس کے استقبال کے لئے دوڑتی ہے۔ اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے، اسے پیری و عہد عیب کا زمانہ سمجھئے۔ طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو کمزور کر دیتا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ ۵۵

جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گے کہ ہم نہیں رہے ایک گھڑی سے زیادہ، اسی طرح تھے الٹے جاتے[3]

آخرت کی زندگی انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشأۃ ثانیہ تک گزرنی ہے، ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔ یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے۔

---

[1] الہلال ۲۹ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۶ نیز "الہلال" ۵ اگست ۱۹۱۴ء۔ پس رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح وہ موت کے بعد زمین کو حیات بخشتا ہے۔ بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر بات پر قادر ہے۔ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۰۴ نیز الہلال ۱۵ ستمبر ۱۹۱۲ء یوں ہے اللہ وہ قادر مطلق ہے، جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا اور بچپنے کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت دی پھر طاقت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپے میں ڈال دیا۔ وہ جو حالت چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہی تمہاری حالتوں کا علیم اور ہر حال کا ایک اندازہ کر دینے والا ہے۔ الہلال ۹ جولائی ۱۹۱۳ء میں یوں ہے اللہ ہی وہ حکیم و قدیر ہے جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا پھر طفولیت کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت و توانائی عطا فرمائی پھر طاقت کے بعد دوبارہ ضعف و نقاہت اور بڑھاپے کی کمزوری میں ڈال دیا۔ وہ جو حالت چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہ تمہارے تمام احوال سے واقف اور ہر حالت کا اندازہ کر دینے والا ہے۔

[3] ترجمہ شیخ الہندؒ کا ہے۔ نوٹ خود مولانا کی ایک تصریح پر مبنی ہے۔ جو سورۂ یونس کے نوٹ ص ۱۵۹ پر ملے گی۔

كَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا — گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس میں مگن
۳۲ لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ — ہے۔[1]

قرآن کہتا ہے، یہی راہِ عمل نوعِ انسان کے۔ لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی الدین القیم ہے یعنی سیدھا اور درست دین جس میں کسی قسم کی خامی نہیں، یہی دینِ حنیف ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم نے دی تھی، اس کا نام میری اصطلاح میں "الاسلام" ہے یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرمانبرداری۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا — خشکی اور تری دونوں میں انسان کے عصیان و سرکشی
كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم — کے باعث فتنہ و فساد پھیل گیا۔[2] دیکھانا چاہیے ان
۴۱ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ — کو کچھ مزا ان کے کام کا تاکہ وہ لوٹ آئیں۔[3]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا — اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول
إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ — اپنی اپنی قوم کے پاس، سو پہنچے ان کے پاس نشانیاں لیکر،
فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَ — جن لوگوں نے جرم کیے تھے، ہم نے ان سے انتقام لیا
۴۷ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○ — اور ہم حق پر تھے کہ ایمانداروں کی مدد کریں۔[4]

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ — یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی
فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ — ہیں۔ پھر ہوائیں بادل کو چھیڑ کر حرکت میں لاتی ہیں۔ پھر وہ
كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ — جس طرح چاہتا ہے انھیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور
كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ — انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ
مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن — بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے۔ پھر جن لوگوں کو بارش
يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ — کی یہ برکت ملنی تھی مل چکتی ہے تو وہ اچانک خوش وقت
۴۸ يَسْتَبْشِرُونَ ○ — ہو جاتے ہیں۔[5]

دنیا میں صرف یہی نہیں کہ پانی موجود ہے بلکہ ایک خاص نظم و ترتیب سے موجود ہے۔ کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس انتظام اور ترتیب سے نہ ہوتا؟ قرآن کہتا ہے اس لیے کہ کائناتِ ہستی میں ربوبیت کارفرما ہے اور ربوبیت

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ فطرت اللہ التی . . کا ترجمہ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کے الہلال ص ۵ میں یوں لیا تھا "یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی (راہِ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں سمجھتے" پھر ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۲ پر یوں ترجمہ کیا، "اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی (اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت) سچا اور ٹھیک ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہیں"

[2] الہلال ۱۵ ستمبر ۱۹۱۲ء [3] ترجمہ شیخ الہند [4] ترجمہ شیخ الہند، ۱۸ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۲

[5] ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۹، الہلال ۹ جون ۱۹۱۳ء میں بھی اس کا ترجمہ موجود ہے۔ "اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو ان کی جگہ سے ابھارتی ہیں۔ پھر خدا جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔ کبھی بادلوں کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے، کبھی ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور تم کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کے درمیان سے مینہ نکل نکل کر پڑ رہا ہے۔" نیز دیکھیے الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶، البلاغ ۱۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ۲۲

دیے تو بس دین الٰہی کی مضبوط رسی اس کے ہاتھ آ گئی[1]
اور انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے[2]

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۷

یہ زمین پر لاکھوں کروڑوں درخت جو تم دیکھ رہے
ہو، اگر ان سب کی شاخوں کو قلم بنا دیا جائے۔ اور تمام
بے کنارہ و بیکراں سمندروں سے سیاہی کا کام لیا جائے
اور وہ بھی اس طرح کہ جب سمندر ختم ہو جائیں اور ویسے ہی
سات نئے عظیم الشان سمندر ان کی جگہ آ موجود ہوں اور اس
طریقے پر اللہ تعالےٰ کے کلمات و آیات کو لکھا جائے، پھر
بھی یقین کرو کہ وہ کبھی تمام نہ ہوں گے۔ کیونکہ عزیز و حکیم ہے[3]

---

[1] "الہلال" ۱۱ دسمبر ۱۹۱۴ء ص ۸
[2] "الہلال" ۱۱ جون ۱۹۱۳ء ص ۱۰
[3] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۹۱۲

سورۃ لقمٰن

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ
فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ
۷ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

اور جب ان میں سے کسی منکر کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی
ہیں تو ہیجان غرور سے اکڑتا ہوا گردن پھیر کر چل دیتا ہے[1]
اگویا ان کو سنتا ہی نہیں، گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں
سوخوشخبری دے اسے دردناک عذاب کی ہے[2]

قرآن کریم میں ہر جگہ اسلام کے ساتھ منکرین اسلام کے لیے "ولی" اور "اعرض" کا لفظ استعمال کیا ہے" ولی عن الشئی" کے
معنی لغت میں اعراض کے ہیں تولی عنہ ای اعرض عنہ" ہر جگہ پاؤ گے یعنی کسی چیز کی طرف سے منہ موڑ لینا اور گردن پھیر لینا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ
۱۰ تَرَوْنَهَا . . . .

اس نے آسمانوں (اجرام سماویہ) کو پیدا کر دیا اور تم دیکھ
رہے کہ کوئی ستون انھیں تھامے ہوئے نہیں[3] . . . .

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ۗ اِنَّ
۱۰ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

اے میرے بیٹے! صلوٰۃ الٰہی کو قائم کر، نیکی کا حکم
دے، برائی سے روک۔ اور اس فرض احتساب کے
ادا کرنے میں جو جو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں، ان پر صبر
کر یہ بڑے ہی پختہ ارادے اور اعلیٰ درجے کا کام ہے[4]

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً
وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا
هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○

کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب تمھارے لیے خدا
نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی
اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں۔ انسانوں میں کچھ
لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس
کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت یا کوئی روشن کتاب[5]

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اور جس کسی نے اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دیا۔
(اپنی گردن اللہ کے حوالے کر دی) اور اعمال حسنہ انجام

---

[1] الہلال ۱۱۔ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۴ ۔ [2] ترجمہ شیخ الہندؒ
[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۲
[4] "البلاغ" ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۷
[5] ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۷۔ نیز ایک مقالے کے لیے ملاحظہ ہو "البلاغ" ۱۷۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ
فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُونَ ○ أَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ
جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ
فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ
كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا
مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ
لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ○
وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ
الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ
الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ ○

کیا ایک مومن بندے کے اعمال و نتائج ایسے
ہی ہو سکتے ہیں جیسے ایک نافرمان اور فاسق کے؟ کیا دونوں ۱۸
برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو لوگ اللہ کے احکام پر ایمان لائے
اور اعمالِ صالحہ اختیار کیے، ان کے لیے کامیابیوں اور
فتح مندیوں کے شاداب باغ و چمن ہوں گے، جن میں وہ ۱۹
شاد و خرم رہیں گے اور یہ باغہائے فتح و مراد ان کے نیک
کاموں کا بدلہ ہیں، مگر جن لوگوں نے احکامِ الٰہی کے مقابلے
میں سرکشی کی تو ان کا ٹھکانا تو بس نامرادیوں، ناکامیوں اور
اسروغلامی کی آگ ہوگی۔ وہ اپنے کاموں اور تلاشِ نجات
میں ایسے گمراہ ہو جائیں گے کہ جب کبھی اس آگ سے ۲۰
نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان
سے کہا جائے گا کہ پاداشِ عمل کے جس عذاب کو تم جھٹلاتے
تھے اب اس کے مزے چکھو اور یہ بھی جان لو کہ آنے والے
بڑے عذاب سے پہلے ہم ان منکرین کو ایک چھوٹے عذاب ۲۱
کا مزہ چکھائیں گے۔ تاکہ شاید غفلت و سرکشی سے باز آجائیں اور ہماری جانب رجوع ہوں [1]

---

[1] الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۴

سورۂ سجدہ

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
٦ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ
اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ
٧ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ
جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ
٨ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ
وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ
جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ
٩ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

یہ اللہ ہے، محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا، طاقت والا، رحمت والا۔ جس نے جو چیز بنائی حسن و خوبی سے بنائی۔ چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصے سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا۔ پھر اس کی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح (یعنی ایک قوت) پھونک دی اور اس طرح اس کے لیے سننے، دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کر دیں (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کی رحمت کا) شکر گزار ہو[1]

کائناتِ ہستی کے اسرار و غوامض بے شمار ہیں۔ لیکن روحِ حیوانی کا جوہرِ ادراک زندگی کا سب سے زیادہ لاینحل عقدہ ہے۔ حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک ہر طرح کا احساس و ادراک رکھتے ہیں اور انسانی دماغ کے نہاں خانے میں عقل و تفکر کا چراغ روشن ہے۔ چیونٹی کو دیکھو اس کے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہو۔ لیکن مادے کے اس حقیر ترین عصبی ذرے میں بھی احساس و ادراک، محنت و استقلال، ترتیب و تناسب، نظم و ضبط اور صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں۔ شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں۔ کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر و تحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کر دی۔ قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا اور ضروری تھا کہ جس طرح اس نے جمالِ ظاہری سے دنیا آراستہ کر دی ہے، اسی طرح جمالِ معنوی کی بخششوں سے بھی اسے مالامال کر دیتی۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ
اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا
سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ (سجدہ)
١٥ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا
١٦ رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ رات کو جب سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لیکر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں[2]

---

[1] "ترجمان القرآن" جلد اول ص ۲، ۷۵

[2] "الہلال" ۱۰ دسمبر ۱۹۱۲ء۔

إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۲۹

تم اللہ کے رسول اور آخرت کی طالب ہو تو پھر اسی کی ہو رہو۔ اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والی عورتوں کے لیے بہت بڑا درجہ تیار کر رکھا ہے[۱]

ازواج مطہرات نے توسیع اور طلب اسباب راحت کے لیے آنحضرت پر زور ڈالا تھا اور اس مطالبے میں تمام بیبیاں متفق ہو گئی تھیں، حتیٰ کہ آنحضرت نے ایلاء کر کے ایک ماہ کے لیے ان سے کنارہ کشی کر لی تھی، اس لیے اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ ایک مرتبہ ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو جائے اور دونوں راستے ان کے آگے پیش کر دیے جائیں یا تو اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں آرام و راحت دنیوی کو بالکل خیرباد کہیں یا دنیا کے نعائم و لذائذ کے لیے اللہ کے رسول کی رفاقت ترک کر دیں۔ ازواج کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ انھوں نے ہر چیز پر اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی۔

اس حکم نزول میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ یہ ازواج مطہرات کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ دنیا کو دکھلانا تھا کہ جن لوگوں کو اللہ کے رسول نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے، ان کے تزکیۂ باطن اور خدا پرستی کا کیا حال ہے۔

حکم اگرچہ صرف ازواج مطہرات سے متعلق تھا، مگر در اصل اس راہ کے لیے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ جو دل خدا اور اس کے رسول کی محبت و مرضات کے طالب ہوں انھیں چاہیے کہ پہلی ہی نظر میں دنیا اور راہ دنیا کی طرف سے دست بردار ہو جائیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ۴۵
وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ۴۶

اے پیغمبر! بیشک ہم نے تمھیں شہادت دینے والا، ظلم و عصیان کے نتائج سے ڈرانے والا، انسانوں کی غلامی سے بغاوت اور اللہ کی وفاداری کی دعوت دینے والا مختصر یہ کہ ہر طرح کی تاریکیوں کو مٹانے کے لیے ایک روشن و منور چراغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا[۲]

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ۵۶

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔ اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر[۳]

(اس آیت میں بھی سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹، کی طرح مقام محمود کی خبر دی گئی ہے، اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔ حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو اور کوئی نسل ہو، ممکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہو گی۔ یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے اس سے زیادہ اونچی

---

[۱] "الہلال" ۳ جون ۱۹۱۳ء ص ۵
[۲] "الہلال" ۴ نومبر ۱۹۱۲ء
[۳] شیخ الہند کا ترجمہ

سورۃ احزاب

سورۂ احزاب اور سورۂ ممتحنہ دونوں سورتیں زیادہ تر احکام جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور بعض مقاتلات کے نتائج اور دورِ ابتلاء و آزمائش و عجائباتِ نصرتِ الٰہیہ کے بیان سے مملو ہیں[1]

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنۡ
قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِہٖ ۴

اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے (بلکہ ایک ہی دل ہے)[2]

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ
اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ
یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ
وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ؕ ۲۱

بیشک رسول اللہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے، جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہوں[3]

قرآن کریم میں ایک بڑا حصہ انبیاے سابقین کے قصص و اعمال کا ہے۔ اس کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے، پھر اس کی صداقت کے لیے امم گزشتہ اور اعمال انبیاے سابقہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے، لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتا پا اعمال بہ طور نمونہ کے پیش کیے گئے ہیں، اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں: خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ملت حنیفی کے داعی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا علیہ السلام (ملاحظہ ہو سورۂ ممتحنہ) "اسوۃ" کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے۔ امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں" اسوہ مثل قدوہ کے ہے اور "قدوہ" اس حالت کو کہتے ہیں کو کسی دوسرے میں دیکھ کر انسان اس کی پیروی کرے۔ پس اسوہ سے مقصود ایسی پیش نظر حالت ہے، جس کی پیروی اور متابعت کی جائے۔ ہم نے اس کا ترجمہ نمونہ کر دیا کیونکہ اردو میں اور کوئی لفظ اس مفہوم کے لیے ذہن میں نہیں آتا[4]

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ
اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا
وَ زِیۡنَتَہَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ
وَ اُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ﴿﴾ وَ ۲۸

اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو صاف صاف کہہ دو۔ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر

---

[1] "الہلال" ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶
[2] "الہلال" ۱ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۷
[3] "الہلال" ۱۲ فروری ۱۹۱۳ء نیز الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶
[4] "الہلال" ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵ حاشیہ۔

سورۃ فاطر

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ۲

اللہ اپنی رحمت کا دروازہ بندوں پر کھول دے تو کوئی نہیں جو اسے بند کر سکے، اور اگر اس کا دروازۂ رحمت بند ہو جائیگا تو کوئی نہیں جو اسے کھول سکتا ہے[1] (اور وہ عزیز و حکیم ہے)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ ۳

اے افراد نسل انسانی! اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے تمھیں فیض یاب کیا ہے، ان پر غور کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمھیں آسمان اور زمین کی بخشائشوں سے رزق دے رہا ہے؟ نہیں کوئی معبود نہیں، مگر اس کی ذات[2] (تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو)

(قرآن) نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے۔ جو رب العلمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمھارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے آگے جھکایا جائے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ ۱۰

جو لوگ عزت کے بھوکے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام عزت بخشیاں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ تمھارے اعمال صالحہ اس کی درگاہ تک پہنچتے ہیں اور وہی نیک عمل کرنے والے کے درجے بلند کرتا ہے[3]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○

۱۵ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ

۱۶ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ

اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر اور سائل ہو، اللہ تو تمھاری مدد سے بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور ایک دوسری مخلوق پیدا کر دے اور اس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں[4]

خدا تعالےٰ اپنے کلمۂ توحید کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی اعانت کا محتاج نہیں، بلکہ ہم اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ جو قوم فرض الٰہی ادا کرتی ہے، تاج اقبال اور سریرِ عظمت پر اس کا قبضہ رہتا ہے۔ جب احکام الٰہیہ کی سرکشی

---

[1] ترجمہ نقل کرتے وقت حوالہ درج نہ ہو سکا اور اب مل نہیں سکا [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۶

[3] "الہلال" ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۳ نیز ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱

[4] "الہلال" ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱ - الہلال ۱۸ ستمبر ۱۹۱۴ء میں ترجمہ یوں ہے: اے لوگو! تم اللہ کے فضل کے محتاج ہو۔ اللہ تو غنی و حمید ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم کو مٹا دے اور تمھاری جگہ کسی نئی مخلوقات کو لا کھڑا کرے اور ایسا کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

جگہ اولادِ آدم کو نہیں مل سکی۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہود معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا، جبکہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمودِ خلائق ہے، وہاں بھی محمود و ممدوح ہوگی[1]

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا
۵۷ وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر لعنت کی اور ان کے لیے ذلت بخش عذاب تیار کر دیا گیا۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ
۶۲ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے[2]

قرآن کہتا ہے کائناتِ ہستی کے ہر گوشے کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیے بھی خدا کا قانونِ سعادت و شقاوت ایک ہی ہے۔ ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے۔ اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر ماضی میں شہد ہمیشہ شہد کا خاصہ رکھتا آیا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے تو مستقبل میں بھی شہد ہمیشہ شہد ہی رہے گا۔ اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
۷۰ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ
لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ
۷۱ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝
إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا
وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ
۷۲ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سچی بات کہو تاکہ خدا تمہارے اعمال کو صالح کر دے اور تمہارے گناہ بخش دے[3] (اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ اور اس کے رسول کے، اس نے پائی بڑی مراد[4]) ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس بارِ گراں کے متحمل نہ ہو سکے، لیکن انسان آگے بڑھا اور اس نے بلا تامل اٹھا لیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے اوپر سخت ظلم کرنے والا اور سرگشتۂ نادانی ہے[5]

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۳۶۴، ۳۶۵۔
[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۲، جلد دوم ص ۲۱۰
[3] "الہلال ۲۹ - اپریل ۱۹۱۴ء، البلاغ ۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵ میں ترجمہ یوں ہے: "مسلمانو! خدا سے ڈرو، ٹھیک اور پکی بات بولو۔ وہ تمہارے اعمال کو تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔
[4] یہ ٹکڑا شیخ الہند کا ترجمہ ہے۔
[5] "الہلال" ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء۔

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا
غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُؕ

منکر آتش دوزخ میں پڑ کر چلائیں گے) خدایا! ہم کو جہنم سے
نکال کہ صالح اعمال بجالائیں وہ نہیں جنھیں پہلے صالح کام سمجھ کر کرتے ۳۷
تھے بلکہ وہ جو فی الحقیقت صالح ہیں ۔[1]

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ
الۡاَوَّلِيۡنَ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ
لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ۝

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا
اس سنت کی جو اگلے لوگوں کی رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو، تم
اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو
سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں۔[2] ۳

اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ
فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَكَانُوۡۤا
اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَىۡءٍ فِى السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا قَدِيۡرًا ۝

پھر کیا یہ غافل زمین پر چلتے پھرتے نہیں کہ گزشتہ قوموں کے
آثار و حالات کا مطالعہ کریں اور سوچیں کہ ان قوموں اور طاقتوں
کو غفلت و زیادتی کا کیسا نتیجہ بھگتنا پڑا؟ حالانکہ وہ قوت و تعداد
میں ان سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کو دو حق
کا حامی اور زیادتی کا انصاف کرنے والا ہے، دنیا کی کوئی بھی
طاقت عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ سب کے حالات سے واقف ۴۴
اور ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے۔

جس طرح ہر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قوانین ہوئے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایک قانون ہوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں، عالم گیر اور غیر مبدل ہیں۔ اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے۔ قوانین فطرت میں تبدیلی نہیں یہ طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے یہ اعتقاد کہ آگ جلاتی ہے اسے انسان کو صرف اتنی سی بات سے حاصل ہو گیا کہ آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا۔

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقرا کا اعتقاد پیدا کیا یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعے سے کلیات تک پہنچنا۔ اب ہمارے تمام علوم و معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے۔

(قرآن کہتا ہے کہ اعمال انسانی کے سلسلے میں یہ حقیقت معطل نہیں ہو گئی) پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں۔ ان کی بھی آبادیاں تھیں، قوتیں تھیں، شوکتیں تھیں۔ دنیا کی سیر کرو، مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ۔ پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل درآمد ہو چکا ہے۔

وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا

اگر وہ لوگوں کو ان کے ظلم و زیادتی کی پاداش میں
فوراً پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار ہستی کو بھی باقی نہ

جو طریق ہدایت و صداقت کو چھوڑ کر اپنے نفوس پر ظلم کر رہے ہیں۔ بعض ان میں سے درع کی راہ چلنے ہیں" پھر انہیں میں بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی ہیں جو اعمال نیک میں راست بازانہ پیش قدمی کرتے ہیں اللہ کا بہت بڑا فضل ہے جس کی انہیں توفیق دی گئی۔ ۔ بے نیز دیکھیے
الہلال ۲۹۔ستمبر ۱۹۱۲ء

[1] البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۱۴۔

اور نافرمانی میں مبتلا ہو جاتی ہے تو خدا اپنی دنیا کو حکم دے دیتا ہے کہ اس کی فرمانبرداری سے سرکش و متمرد ہو جائے۔ جو اپنے حاکم کا مطیع نہیں، اسے کیا حق ہے کہ اس کے ماتحت اس کی اطاعت کریں؟

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا
فِيْهَا نَذِيْرٌ ○

اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں، جس میں (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے والا (خدا کا کوئی رسول) نہ گزرا ہو[1]

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ
حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ
۲۷ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ
وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ
اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
۲۸ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ○

اور اسی طرح پہاڑوں میں ہم نے مختلف رنگوں کے طبقات پیدا کیے، کوئی سفید، کوئی لال، بعض کالے کالے سیاہ ہیں اور اسی طرح آدمیوں، جانوروں، چارپایوں کی رنگتیں بھی کئی کئی طرح کی ہیں، جن میں اللہ نے بڑی حکمتیں رکھی ہیں۔ اللہ کا خوف انہی دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے، جنھوں نے کائنات کے ان اسرار و حقائق کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے علم و حکمت سے بہرہ اندوز ہیں۔[2] (یقیناً اللہ عزیز و غفور ہے)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ
مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ
بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
۳۲ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○

(پھر پچھلی قوموں کے بعد) ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرایا، جنھیں ہم نے اپنی خدمت کے لیے اختیار کر لیا (یعنی مسلمانوں کو) پس ان میں سے ایک گروہ تو ان کا ہے جو اپنے نفوس پر (ترک اعمال حسنہ و ارتکاب معاصی سے) ظلم کر رہے ہیں، دوسرا ان کا جنھوں نے معاصی کو ترک اور اعمال حسنہ کو اختیار کیا ہے خدا پرستی اور ترک نفسانیت میں ان کا درجہ درمیانہ اور متوسطین کا ہے۔ تیسرے وہ جو اذن الٰہی سے تمام اعمال حسنہ و صالحہ میں اوروں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ خدا کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔[3]

مسلمانوں کو خدا تعالٰے نے تین طبقوں میں منقسم کر دیا ہے:

۱ نفوس پر ظلم کر رہے ہیں، کیونکہ خدا سے غافل اور اس کے رشتے کی عزت کو بھولے ہوئے ہیں۔ دلوں میں اعتقاد اور حس ایمانی تو ضرور رکھتے ہیں، پر ایمانی قوت میں ضعف بدرجہ کمال ہے اور عمل مفقود۔

۲ درمیانی طبقہ جو غفلت سے متنبہ ہوا، اعمال حسنہ اختیار کیے اور امر الٰہیہ کے آگے سر اطاعت خم کیا۔

۳ اعلیٰ ترین طبقہ جو نہ صرف خیرات و محاسن کا انجام دینے والا ہے بلکہ ان میں اوروں سے پیشرو بھی ہے اور نیکی کی صفوں میں سب سے آگے بڑھ جانے والا ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۸۲ [2] الہلال ۲۴ جون ۱۹۱۴ء ص ۶ ان آیتوں کا ترجمہ ترجمان القرآن جلد اول میں بھی ہوا اور پہاڑوں کو دیکھو گوناگوں رنگتوں کے ہیں کچھ سفید کچھ سرخ کچھ کالے کلوٹے اور انسان جانور چارپائے طرح طرح کی رنگتوں کے (ص ۴)

[3] الہلال ۲ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۸ - ۲۲ - مارچ ۱۹۱۳ء ص ۲ میں اس کا ترجمہ یوں ہے پس اس جماعت میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

سورۃ یٰس

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

۵ یہ قرآن، عزیز و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے
تاکہ ان لوگوں کو جن کے آباؤ اجداد (کسی پیغمبر کی زبانی)
۶ متنبہ نہیں کیے گئے اور اس لیے غفلت میں پڑے ہیں
تم متنبہ کر دو۔[1]

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝

ہم نے گمراہی اور شیطان کی غلامی کے طوق ان
کی گردنوں میں ڈال دیے، جو ان کی ٹھوڑیوں تک آ
۸ گئے ہیں اور ان کے سر پھنس کر رہ گئے ہیں۔[2]

انسان کے تمام کاموں کی جڑ یقین کا رسوخ اور اعتقاد کا استحکام ہے۔ اسی کو شریعت "ایمان" کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے۔ خدا کا تصور یا تو انسان کو محبت کی شکل میں اپنی طرف کھینچتا ہے یا خوف کی عظمت و ہیبت دکھلا کر اپنے آگے جھکاتا ہے (لیکن جن کے گلوں میں) نفس و شیطان کے طوق پڑ گئے ہیں، ان کی فطرت کو عبودیت الٰہی سے اجنبیت ہو گئی۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور ہر شے کو ہم نے اس کتاب واضح (قرآن)
۲ میں جمع کر دیا ہے۔[3]

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا
بڑھا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! سچائی کے ان رسولوں
۲۰ کے حکموں کو مان لو۔ ایسے لوگوں کی اطاعت کرو جو تمھیں گمراہی
سے نجات بخشتے ہیں۔ پھر اپنی محنت اور خدمت کا کوئی بدلہ
۲۱ بھی نہیں مانگتے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں ایسی کھلی اور صریح تعلیم
۲۲ سے آنکھیں بند کر لوں اور جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا اس کی پرستش
سے انکار کر دوں، حالانکہ تم سب اسی کی طرف لوٹ کر لائے جاؤ گے۔[4]

اب سے اٹھارہ سو برس پہلے رومیوں کے عظیم الشان شہر انطاکیہ کے کنارے سے دعوتِ حق کی صدا اٹھی تھی وہ ایک پاک روح تھی جس نے لوگوں کو نبیوں اور رسولوں کے اتباع کی طرف بلایا تھا۔ اور کہا تھا کہ ان بتوں کی پوجا چھوڑ دو جو تمھیں کچھ بھی نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے اس کے سچے رسولوں کی پیروی میں بڑی بڑی سزاؤں اور جسمانی عقوبتوں کی پروانہ کی حتیٰ کہ اسی راہ میں شہید ہو گیا۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۸۔ [2] الہلال ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء ص ۵۔ [3] الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔
[4] الہلال ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷

مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝

چھوڑتا، لیکن یہ اس کا قانون ہے کہ وہ اپنے ہر کام کو اسباب عمل کی ترتیب اور طبیعی تدریج کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اور اس لیے وہ ایک وقت مقررہ تک ظالموں کو مہلت دیتا ہے۔ ۴۵
پھر جب ان کا وقت آپہنچے گا تو تم خود بخود انقلاب حالت کو دیکھ لو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر عمل نیک و بد کو دیکھ رہا ہے[1]۔

اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصتِ حیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ ہر غلطی، ہر کمزوری، ہر نقصان، ہر فساد، اچانک بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا۔

---

[1] آیت ۴۴، ۴۵ دونوں کا ترجمہ الہلال ۱۸ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۴ سے نقل ہوا ہے آیت ۴۵ کے لیے ترجمان جلد اول ص ۷۰ میں بھی ملاحظہ فرمایئے اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے اگر اللہ اس پر (فوراً) مواخذہ کرتا، یقین کرو، زمین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا، لیکن اس کی رحمت ہے کہ اس نے ایک مقررہ وقت تک فرصتِ حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا۔ تو پھر یاد رہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں" آیت ۴۴ کے ایک حصے کا ترجمہ ترجمان جلد دوم ص ۱۱۱ پر یوں ہے۔ "کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے؟

یہاں شیطان کی اطاعت کو بندگی اور عبادت سے تعبیر کیا اور عبادت الٰہی کے اس میثاق کو یاد دلایا" جو "الست بربکم" کے سوال کے جواب میں تمام بنی آدم سے لیا جا چکا ہے۔ پس حقیقتِ اسلامی چاہتی ہے کہ انسان قوت شیطانی سے باغی ہو کر صرف خدا تعالیٰ کا ہو جائے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ
الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ
تُوْقِدُوْنَ ○

(اور دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت، جس نے
سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی اور اب
تم اس سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو۔[1] ۸۰

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۸۰ - "البلاغ" ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲ پر ترجمہ یوں ہے: خدا وہ ہے جس نے سبز لکڑی سے تمہارے لیے آگ پیدا کی۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ — پس بشارت ملی کہ جنت کی حیاتِ طیبہ میں داخل ہو

۲۶ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا — جا۔ اس وقت اس نے کہا، کاش! میری قوم جانتی کہ

غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ — میرے پروردگار نے مجھے کس طرح بخش دیا اور اپنے نوازے

۲۷ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ — ہوؤں میں شامل کر لیا[۱]

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ — پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لیے جس نے زمین

كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ — کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں، جن کا

۳۶ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ — انسان کو علم نہیں، دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں[۲]۔

(کائنات میں وہ قانون بھی کارفرما ہے) جسے قرآن نے "تزویج" سے تعبیر کیا ہے ہم اسے قانون تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل و متماثل ہونے کا قانون۔ کائنات خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی۔ ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ رات کے لیے دن ہے، صبح کے لیے شام ہے، نر کے لیے مادہ ہے، مرد کے لیے عورت ہے، زندگی کے لیے موت ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ — اور دیکھو سورج کے لیے جو قرارگاہ ٹھہرا دی

۳۸ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ — گئی ہے، وہ اسی پر چلتا ہے اور یہ عزیز و علیم خدا کی اس کے لیے تقدیر ہے[۳]

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ — نہ تو آفتاب کے اختیار میں ہے کہ چاند کو جا

الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ — لے اور نہ رات کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے ظاہر ہو

۴۰ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ — جائے اور تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے دائروں کے اندر پھر رہے ہیں[۴]۔

"حقیقت اسلامی" کی اطاعت و انقیاد نے ہر مخلوق کو اپنے اپنے دائرۂ عمل میں محدود کر دیا ہے اور ہر وجود سر جھکائے ہوئے اپنا اپنا فرض انجام دینے میں مشغول ہے۔ تمام ستاروں کا باہمی جذب محیط ہمیشہ اس تسویہ و میزان کے ساتھ قائم ہے کہ عظیم الشان قوتوں کے یہ پہاڑ آپس میں نہیں ٹکراتے۔ ان کی حرکت و سیر کی مقدار اور اوقاتِ مقررہ میں طلوع و غروب ایک ایسا غیر ممکن التبدیل قانون ہے، جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ — اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے اس کا عہد

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ — نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا سے باز رہو، کیونکہ وہ تمہارا

۶۰ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ — کھلا ہوا دشمن ہے اور صرف ہماری ہی عبادت کرو

۶۱ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ — کہ یہی ہدایت کی حقیقی راہ ہے[۵]

---

۱ الہلال ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷

۲ ترجمان القرآن جلد اول ص ۸۳

۳ ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۳

۴ "الہلال" ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۷

۵ "الہلال" ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء ص، نیز دیکھو ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶

ترجمہ یوں ہے: اے اولاد آدم کیا ہم نے تمہیں تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی پوجا نہ کرو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ صرف ہماری ہی بندگی کرنا۔ یہی انسان کے لیے سیدھا راستہ ہے۔

اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا
تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا
تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ
شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○
فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ
لِلْجَبِیْنِ ○ وَنَادَیْنٰهُ
اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ○
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ؕ
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ وَ
فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ وَ
تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓی
اِبْرٰهِیْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○

میں نے خواب میں دیکھا، گویا تمھیں راہِ حق میں ذبح کر رہا
ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے تم اس پر غور کرو
کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ بیٹے نے بلاتامل کہا: اس خواب
سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک ۱۰۲
اشارہ ہے۔ پس آپ حکم الٰہی کو پورا کیجیے مجھے انشاءاللہ صبر
کرنے والوں اور ثابت قدموں میں پایئے گا۔ ۱۰۳
جب باپ اور بیٹا دونوں خدا کے آگے جھک گئے۔ اور ۱۰۴
باپ نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو زمین پر پچھاڑا تو
اس وقت ہم نے آواز دی: اے ابراہیم! بس کرو۔ تم
نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم صاحبانِ احسان کو اسی ۱۰۵
طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ دراصل بہت ہی بڑی قربانی تھی ۱۰۶
جس کی تعمیل کے لیے تم تیار ہو گئے تھے[۱] اور ذبیح (اسمٰعیل کے) ۱۰۷
فدیے میں ہم نے ایک بہت بڑی قربانی دے دی۔ (یعنی ۱۰۸
سنتِ ابراہیمی کی یادگار میں تاقیامت جاری رہنے والی ۱۱۱-۱۰۹
قربانی) اور تمام آنے والی امت میں اس واقعہ عظیم کا ذکر قائم
کر دیا[۲]۔ پس سلام ہو حقیقتِ اسلامی (کے مطابق) قربانی کرنے والے ابراہیم پر۔ ہم مقامِ احسان تک پہنچنے والوں
کو (بقائے دوام کا) ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں میں سے تھا[۳]۔

جب حقیقتِ اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ "اسلام" ہی تھا جس نے ابراہیم کے ہاتھ میں چھری دی
تاکہ فرزندِ عزیز کو ذبح کرکے محبت ماسوی اللہ کی قربانی کرے، اور اسلام ہی تھا جس نے اسمٰعیل کی گردن جھکا دی تاکہ اپنی جانِ
عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دے۔ جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح پکڑ کر زمین پر گرا دیا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو
ابراہیم کے اندر کام کر رہا تھا۔ اور جب بیٹے نے ذوق و شوق کے ساتھ جو مدتوں کے پیاسے کو آبِ شیریں سے ہوتا ہے
اپنی گردن مضطرب ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقتِ اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا، جس نے نفسِ اسمٰعیل کو فنا کر دیا
تھا اور اسی فنا سے مقامِ ایمان کو بقا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِیْنَ ۚ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○

اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد و ہدایت کے
لیے لوگوں کی طرف بھیجا، ان کی نسبت پہلے ہی ان سے ۱۷۲-۱۷۱

---

[۱] یہاں تک پورا ترجمہ البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء سے منقول ہوا۔ ان آیات کا ترجمہ الہلال ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵ اور ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶ بھی درج ہے [۲] الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵۔ [۳] الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۰۰۔

سورۃ الصّٰفّٰت

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ — قسم ہے مجاہدین کے ان گھوڑوں کی جو دشمنوں
۲-۳ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ — سے لڑنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر
(مجاہدین) اپنے گھوڑوں کو زور سے للکارتے اور دشمنوں پر حملے کرتے ہیں۔ پھر لڑائی سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے ہیں۔[1]

---

۷۷ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ — اور ہم نے نوح کی ذرّیت ہی کو بقا دی۔ کیونکہ وہی ایک
۷۸ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ — صالح قوم پیدا ہوئی تھی اور اسی طرح بعد کی تمام آنے والی
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي — قوموں اور نسلوں کے لیے دعوت نوحی ہی کو وسیلہ ہدایت
۷۹ الْعٰلَمِيْنَ ۝ — قرار دیا۔ پس تمام جہانوں، تمام قوموں اور تمام نسلوں میں سلام
ہے۔ نوح کے لیے، جس کا وجود تمام عالم کی ہدایت و دعوت کا مرکز تھا۔[2]

سورہ الصافات میں حضرت نوح کے تذکرہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے سلام کے ساتھ "فی العالمین" کا لفظ فرمایا لیکن اور انبیاء کی نسبت صرف "سلام" پر اکتفا کیا۔ مثلاً "سلام علیٰ موسیٰ و ہارون" "سلام علیٰ الیاسین" یہ دراصل اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت نوح کی دعوت کسی خاص نسل اور قوم کو زندہ کر دینے کے لیے نہ تھی بلکہ اقوام و ملل کی ہر نسل اس کے دامن میں پناہ لے سکتی ہے۔

---

۸۳ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ — اور نوح ہی کی جماعت میں سے ابراہیم بھی ہیں۔
۸۴ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ — جبکہ وہ اپنے پروردگار کے حضور "قلب سلیم" کے ساتھ حاضر ہوئے۔[3]

قرآن میں کسی نبی کو بھی نوح کا "شیعہ" یا متبع نہیں کہا ہے۔ صرف حضرت ابراہیم ہی کو ان کی طرف منسوب کیا، کیونکہ حضرت نوح نے نئی قوم کی بنیاد رکھی تھی اور یہی مشن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى — میں (ہر طرف سے کٹ کر) اپنے پروردگار کا رخ
۹۹ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ — کرتا ہوں۔ وہ میری ہدایت کرے گا۔[4]

پروردگار نے تمام ضروریات زندگی کا سامان کر دیا۔ بھوک کے لیے غذا، پیاس کے لیے پانی۔ بیماری میں شفا عطا فرماتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ ہدایت کا سامان نہ کیا ہو۔ یقیناً وہی ہے۔ جو طلب و سعی میں بندے کی رہنمائی کرتا ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ — جب اسماعیل حضرت ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے
يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ — کے قابل ہو گئے تو انھوں نے ایک دن کہا: اے بیٹے!

---

[1] "الہلال" ۱۵۔ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۲۔
[2] "البلاغ" ۲۶۔ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۲۰
[3] ایضاً ص ۲۱ [4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۰۶۔

سورۃ زمر

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط

(مشرکین کہتے تھے) ہم ان کی (بتوں کی) پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے وسیلہ شفاعت ہیں اور تاکہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں[1] ۲

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس نے رات اور دن کے اختلاف ظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے اور سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک ۴
کے لیے گردش کر رہے ہیں[1]

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بھلا وہ شخص جو رات کے اوقات تنہائی و خلوت میں ہر طرف سے کٹ کر خدا کے سامنے جھک گیا ہے، کبھی جوش اضطراب سے اس کے آگے سجدے میں گر جاتا ہے اور کبھی اس کے آگے ہاتھ باندھ کر غلاموں اور مجرموں کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے، کبھی آخرت کی منزلوں کے تصوّر سے ڈرنے لگتا ۹
ہے اور کبھی اس کی شانِ کریمی و رحمت کو یاد کر کے امیدوار بخشش ہو جاتا ہے۔ تو بتلاؤ کہ کیا ایسا شخص اور سرشاران غفلت و حجاب دونوں برابر ہیں؟ پھر کیا صاحبان علم اور گم گشتگان جہل دونوں کا ایک ہی درجہ ہے؟[2]

یاد رہے کہ یہ ایک نہایت اہم اور بصیرت طلب آیہ کریمہ ہے۔ ایک ایسے قانت و منقطع شخص کی مثال دے کر فرمایا: ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ غور کیجیے بظاہر اسے علم و جہل سے کیا تعلق تھا؟ اصل یہ ہے کہ جو حالت اس شخص (قانت و منقطع) کی بیان کی گئی ہے، وہی فی الحقیقت علم و حکمت حقیقیہ کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہی حالت ہے جسے علم کا اصلی نتیجہ یقین کرنا چاہیے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ

۱۷ پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان بندوں کے لیے جو کلام حق کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی
۱۸ باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں کو خدا نے

---

[1] "الہلال" ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵

[2] "الہلال" ۱۴ مئی ۱۹۱۳ء ص ۸۔

[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۸۰ نیز ص ۸۰

۱۷۳ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ کہ دیا تھا کہ ہماری تائید و نصرت سے یقیناً وہی فتح یاب و مظفر
ہونے والے ہیں۔ اور بیشک ہماری ہی فوج سب پر غالب آکر رہے گی[۱]

سورۃ صٓ

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ — اور ہم نے داؤد نبی کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا
۱۸ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ — کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کریں[۲]
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ — اور بہت سے ساجھے کا کام کرنے والے ایک
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ — دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ — عمل صالح کیے تو ان کا شیوہ عدل اور دیانت داری ہے۔ البتہ
۲۴ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ — ایسے لوگ تھوڑے ہیں[۳]

---

[۱] "الہلال" ۹ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۰۔ نیز البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۴ : اور ہم نے اپنے بندوں کے لیے جنھیں ہم حق کے اعلان اور ہدایت کی پکار کے لیے دنیا کے سامنے بھیجتے ہیں، پہلے ہی سے یہ قانون قرار دے دیا ہے کہ فتح و کامیابی انھیں کو ہوگی۔
[۲] "البلاغ" ۱۶، ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲
[۳] حوالہ اس وقت مل نہ سکا۔

بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○

تم خدا چھوڑ کر پکارتے ہو، میری تکلیف دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو کیا وہ اسے روک سکتے ہیں؟ اے پیغمبر! ان سے کہ دو کہ میرے لیے تو بس وہی خدا بس کرتا ہے، جس کے وجود سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے)

۳۸ اور بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں[۱]

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ○

(کہہ دے) اے لوگو! تم بھی اپنی جگہ کام کیے جاؤ اور میں بھی کام کر رہا ہوں اور عنقریب جان جاؤ گے کہ اللہ

۳۹ کی نصرت کس کے ساتھ ہے اور کسے آخر کی کامیابی نصیب ہوتی ہے[۲]

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○

اور جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو جن لوگوں کو حیاتِ اخروی پر ایمان کامل نہیں، ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا

۴۵ ہے تو لیکایک ان میں خوشی پیدا ہو جاتی ہے[۳]

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

اے میرے بندو! کہ گناہوں میں ڈوب کر تم نے اپنے نفس پر سخت زیادتیاں کی ہیں، خواہ تم کیسے ہی غرقِ معصیت ہو۔ مگر پھر بھی اس محبت فرما (خدا) کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً وہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا

۵۳ بیشک وہ درگزر کرنے والا ہے اور اس کی بخشش رحمِ عام ہے[۴]

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○

اے وہ لوگو! کہ اپنے پروردگار کی نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو، اس کی طرف رجوع کرو اور اس کے حکم کے آگے اپنی گردن جھکا دو، قبل اس کے تم پر (آخری) عذاب نازل

۵۴ ہو اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ ملے۔[۵]

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اور اللہ کی طرف سے جو بہترین احکام و مواعظ بھیجے گئے ہیں، ان کی پیروی کرو۔ مگر اس وقت سے پہلے

---

[۱] البلاغ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۵ نیز البلاغ ۱۷، ۲۴ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۳

[۲] الہلال ۱۵ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۷۔

[۳] الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۳

[۴] الہلال ۱۳ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۸۔

[۵] ایضاً

ہدایت کے لیے کھول دیا ہے اور یہی عقل سلیم رکھنے والے ہیں[۱]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

۲۱ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں ہو گئے۔ پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ پھر ان کی نشوونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں۔ پھر ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا جاتی ہے۔ بلاشبہ دانشمندوں کے لیے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے[۲]

سب سے زیادہ عجیب مگر سب سے زیادہ نمایاں حقیقت نظام ربوبیت کی یکسانی اور ہم آہنگی ہے، یعنی ہر وجود کی پرورش کا سر و سامان جس طرح اور جس اسلوب پر کیا گیا ہے، وہ ہر گوشے میں ایک ہی ہے۔ انسان کا بچہ اور درخت کا پودا تمہاری نظر میں کتنی بے جوڑ چیزیں ہیں، لیکن اگر ان کے نشوونما کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ قانون پرورش کی یکسانی نے دونوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر دیا ہے یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے اور جب سن کمال پر پہنچ گیا تو از سر نو ضعف و انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اس دور کا خاتمہ بھی سب کے لیے ایک ہی طرح ہے۔ کسی دائرے میں اسے مرجھانا کہتے ہیں، کسی میں مرجھا جانا اور کسی میں پامال ہو جانا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ

۲۲ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور جس کا دل کھول دیا گیا تو وہ اپنے پروردگار کی روشن کی ہوئی مشعل ہدایت اپنے سامنے پاتا ہے[۳]۔ پس صد افسوس اور صد حسرت ان دلوں پر جو ذکر الٰہی کی طرف سے بالکل سخت ہو گئے ہیں اور یہی لوگ ہیں، جو بڑی ہی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں[۴]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

۲۷ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

ہم نے انسان کے سمجھانے کے لیے اس قرآن میں سب طرح کی مثالیں بیان کر دیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں[۵]

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ

۳۶ عَبْدَهٗ ۭ

کیا اللہ کے خزائن اس کے بندے کے لیے کافی نہیں کہ وہ اسے دوسروں کے دروازے پر بھیجے[۶]

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ

اے پیغمبر! اگر تم ان مشرکین مکہ سے پوچھو کہ کون ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو ضرور اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر تم ان سے کہو کہ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو وہ تمہارے معبود جنھیں

---

۲ الہلال ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱ ۳ ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۱ نیز الہلال ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء اور ۱۲ اگست ۱۹۱۳ء ۴ الہلال ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶ ۵ الہلال ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء ص ۴ ۶ الہلال ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔

سورۃ مؤمن

١٦ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں صرف خدائے واحد و قہار کی۔

٢٦ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝

اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے خدا کو اپنی مدد کے لیے بلائے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارا دین نہ بدل دے یا یہ کہ زمین میں فساد نہ پھیلائے۔[1]

٦٧ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

وہ (پروردگار) جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو۔ پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو اس کے بعد تمہارا جینا اس لیے ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو۔ پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے ہی مرجاتا ہے، کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کرلے۔[2]

٧٨ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبر مبعوث کیے ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں، کچھ ایسے ہیں، جن کے حالات تمہیں نہیں سنائے (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا)[3] اور کسی رسول کو یہ مقدور نہ تھا کہ لے آتا کوئی نشانی، مگر اللہ کے حکم سے[4] پھر جب وہ وقت آگیا کہ حکم الٰہی صادر ہو تو (خدا کا) فیصلہ حق نافذ ہوگیا اور اس وقت ان لوگوں کے لیے جو برسر باطل تھے، تباہی ہوئی۔[5]

---

[1] "البلاغ" ١١ فروری ١٩١٦ء ص ١٥

[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ٨٤ - ٨٥

[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ٨٣

[4] ترجمہ شیخ الہند

[5] ترجمان القرآن جلد اول ص ٩٠

اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ
۵۵ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝
اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی
عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ
۵۶ السّٰخِرِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ
۵۷ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ
تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ
۵۸ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ
۵۹ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝

جب کہ یکایک تم کو آخری ناکامیوں اور نامرادیوں کا عذاب آگھیرے گا اور تم بالکل بے خبر ہوگے۔

نہ ہو کہ اس وقت حسرت و ندامت کے ساتھ وقت فرصت کو یاد کرو اور تم میں سے کوئی کہے ! آہ آہ : صد حسرت و افسوس میری اس کوتاہی پر، جو میں نے اپنے پروردگار کے احکام کی تقدیس و احترام کرنے میں کی۔ صد افسوس! کہ مجھے حکم الٰہی سنایا جاتا تھا، مگر میں تمسخر کرتا تھا یا کہے کہ اگر خدا میری ہدایت فرماتا تو میں آج پرہیزگاروں میں سے ہوتا، حالانکہ اس تمام حجت کے لیے آج ہدایت کی صدائے دعوت بلند کی جارہی ہے۔ یا پھر جب وہ آنے والا عذاب آموجود ہو تو اسے دیکھ کر حسرت سے کہے کہ اے کاش! مجھے گئی ہوئی مہلت اور گزرا ہوا وقت دوبارہ مل جاتا تو میں بھی نیک بن کر نیکوں کی جماعت میں شامل ہوجاتا (لیکن اس وقت صدائے الٰہی اٹھے گی کہ) ہاں میں نے تو اپنا حکم بھیجا تھا اور اپنی نشانیاں تجھے دکھلائی تھیں پر تو نے ان کو جھٹلایا۔ اور ان کے آگے جھکنے کی جگہ مغرور ہوگیا۔ میرے حکموں سے انکار کرنے والوں میں تو بھی تھا۔ اب تیرے لیے حسرت و نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔[1]

---

[1] آیت ۵۵ سے آیت ۵۹ تک کیلئے ملاحظہ ہو الہلال ۱۴ مئی ۱۳ء ص ۵

لی یعنی پانی پیدا ہوگیا۔ پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے۔ پھر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے۔ پھر زندگی کا نمو شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آگئیں[1]

لیکن یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک سے معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں، خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں[2]

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ	اور باقی رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہِ (حق)
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى	دکھلا دی تھی، لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن
	کا شیوہ پسند کیا[3] ١٧

قوم ثمود عرب کے اس حصے میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک چلا گیا ہے۔ اسی مقام کو دوسری جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے[4]

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ	جن لوگوں نے اقرار کیا کہ صرف اللہ ہی ہمارا پروردگار
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ	ہے۔ پھر اپنے کاموں کے اندر اس اعتقاد کا ثبوت دے کر
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا	درجہ استقامت حاصل کر لیا۔ ماسوا اللہ کی طرف سے ان
وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ	پر طمانیت و سکینت کے فرشتے نازل ہوں گے۔ اور
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ	ان کو مطمئن کر دیں گے کہ نہ تو کسی طرح کا خوف اپنے دلوں ٣٠
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	میں لاؤ اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی زندگی میں رہو
وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا	جس کا تم ایسے استقامت والے مومنوں سے وعدہ کیا تھا۔
مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ	دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں
فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا	بھی، تمھیں طاقت و اختیار بخش دیا گیا۔ جس چیز کو تمہارا ٣١
مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ وَمَنْ	جی چاہے تمہارے لیے مہیا ہے اور جو چیز تم اللہ سے ٣٢
اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ	مانگو تمھیں مل جائیگی۔ یہ درجہ تمھیں خدائے غفور و رحیم کی طرف
اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ	سے مرحمت ہوا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کس شخص
صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ	کی بات ہو سکتی ہے، جو لوگوں کو خدا کے نام کی دعوت
الْمُسْلِمِيْنَ ۝	دے نیز اعمال صالحہ انجام دے اور اس کا دعویٰ صرف ٣٣

---

[1] ایضاً [2] ایضاً۔

[3] ترجمان القرآن جلد دوم ص ١٧

[4] ترجمان جلد اول ص ١٧٩

سورۃ حٰمٓ سجدہ

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ — تمھاری دعوت کے لیے نہ تو ہمارے دلوں
مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا — میں جگہ ہے، نہ کانوں میں سماعت۔ ہمارے اور تمھارے
وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ — درمیان مخالفت کی ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہے (کہ ہم تمھاری
۵ حِجَابٌ — بات سننے والے نہیں)[۱]

عام مشرکین عرب جن کے پاس ایمان و خدا پرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی، محض رسوم و اوہام کے پجاری اور تقلید آباو اجداد کی مخلوق تھے۔ ان میں اکثر کی طبیعتیں گمراہی و فساد کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہو گئی تھیں کہ کتنی ہی اچھی بات کہی جائے، ماننے والے نہ تھے

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي — تو کہہ، کیا تم اس سے منکر ہو جس نے زمین دو
خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ — دن میں بنائی اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک و ہم پایہ
لَهُ أَندَادًا ۝ — بناتے ہو۔

تمام کائنات ایک دفعہ ظہور میں نہیں آ گئی بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے ظاہر ہوئے یہ دور چھ تھے[۲]

۱۔ زمین کی تخلیق دو دوروں میں ہوئی۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن — اور رکھے اس میں (زمین میں) بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت
فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا — رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی (زمین
۱۰ أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ — پر بسنے والوں کی) چار دن میں۔

۲۔ زمین کی سطح کی درستگی اور پہاڑوں کی نمود اور قوت نشوونما کی تکمیل بھی دو ہی دوروں میں ہوئی اور اس طرح یہ چار دور ہوئے[۳] (دو زمین کی پیدائش کے دو سطح کی درستگی، پہاڑوں کی نمود اور قوت نشوونما کی تکمیل کے)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَ — پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھوآں
۱۱ هِيَ دُخَانٌ — ہو رہا تھا۔

۳۔ اجرام سماوی کی پیدائش ایک ایسے مادے سے ہوئی جسے قرآن "دخان" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ دخان کے معنی دھوئیں کے ہیں یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھتی ہوئی ہو[۴]

۱۲ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ — (پھر کر دیے وہ سات آسمان دو دن میں)

۴۔ سات ستاروں کی تکمیل دو دوروں میں ہوئی[۵]

تمام اشارات کا ماحصل بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مادہ دخانی تھا۔ پھر اس میں انقسام ہوا، یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے پھر ہر ٹکڑے نے ایک کرے کی شکل اختیار کر لی۔ پھر زمین نے کوئی ایسی شکل اختیار کر لی کہ دخانیت کی جگہ مائیت نے لے

---

[۱] ترجمان القرآن جلد اول طبع دوم ص ۸۰-۲

[۲] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۷۵، [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ایضاً

سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ؕ

ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے مختلف اطراف وجوانب میں بھی دکھائیں گے اور انسان کے نفس کے اندر بھی، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا یہ دین الٰہی برحق ہے[1]

---

[1] الہلال ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷، و الہلال ۲۵ جون ۱۹۱۳ء ص ۵۔

اتنا ہی ہو کہ میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں؟[1]

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا
السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ
۳۴ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَ
مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا
۳۵ يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ○

اور دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (اگر کوئی برائی کرے)
تو برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو، جو اچھا طریقہ ہو اگر
تم نے ایسا کیا تو تم دیکھوگے کہ جس شخص میں تمہارے) عداوت
تھی، یکایک تمہارا دل دوست ہو گیا۔ البتہ یہ مقام ایسا
ہے جو اسی کو مل سکتا ہے، جسے (بدسلوکی کی) برداشت
ہو اور (نیکی وسعادت کا) حصۂ وافر ملا ہو[2]

(قرآن نے) صرف یہی نہیں کہا کہ دشمنوں کے شدائد صبر کے ساتھ تحمل کرو، یہ بھی کہا کہ تحمل کرو اور احسان کرو، برائی کو انگیز کرو اور اس کی جزا نیکی کے ساتھ دو کہ حصول امن کا ذریعہ اور کسب صلح وسلام کی تدبیر ہے۔

لیکن یہ عفو وحلم اور تحمل و انگیز کب تک؟ اس وقت تک جب اس شر اور بدی کا اثر شخص واحد تک محدود اور صرف ایک (ذات خاص ہی) کے منافع خصوصیہ میں محصور ہو (ہیئت اجتماعیہ پر اثر انداز ہونے والے جرائم ومعاصی کے لیے فرد کو حق عفو نہیں دیا جا سکتا، دنیا میں دو چیزیں ہیں: اخلاق اور قانون۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے ہے قانون کا تعلق حکومت اور مجتمع انسانی سے۔ عفو ودرگزر انسان کا بہترین وصف ہے لیکن (ہیئت اجتماعیہ میں) گناہ عظیم، جرأت آموز جرائم ہے۔ اور برہم کن امن انسانی۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ
۴۲ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○

قرآن ایسا معلم وہادی ہے کہ نہ تو اس کے آگے
باطل جم سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اسے جگہ مل سکتی ہے
وہ خدائے حکیم ومجید کا اتارا ہوا ہے، پھر باطل کا یہاں کیا گزر ہو؟[3]

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا
۴۶ رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ○

جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس نے
برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی اور ایسا نہیں ہے کہ
تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو[4]

وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ
۵۱ عَرِيضٍ ○

اور جب انسان کسی مصیبت اور شر میں مبتلا ہو
جاتا ہے تو اس وقت اپنی سرکشی اور غفلت کو بھول جاتا
ہے اور لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے[5]

---

[1] الہلال ۸ جولائی ۱۹۱۴ء ان میں سے مختلف آیات کا ترجمہ دوسرے مقامات پر بھی ہوا۔ مثلاً الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵: جن لوگوں نے اللہ کو اپنا مددگار سمجھا اور اپنے اندر استقامت پیدا کر لی پھر نہ تو ان کے لیے کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی ناکامی ونامرادی کا غم اور اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا، اعمال نیک انجام دیے اور اپنے تئیں کسی انسانی نسبت کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف منسوب کر کے کہا کہ میں صرف مسلم ہوں" نیز دیکھیے الہلال یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء آیت ۳۰ کا ترجمہ دیکھیے البلاغ ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء۔

[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۰۳۔ الہلال ۱۲، ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء میں ترجمہ یوں ہے: نیکی اور بدی برابر نہیں۔ نیکی سے بدی کو دور کرو اس سلوک سے وہ جسے تم سے عداوت ہے، تمہارا دوست ہو جائے گا۔ یہ وہ طریق اخلاق ہے، جس پر صرف صابر اور خوش قسمت انسان ہی عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۱۷

[4] "البلاغ" ۱۰ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۵

[5] "الہلال" ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۱

مِمَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ   تو وہ ضرور بہشت کے سبزہ زاروں میں ہوں گے۔ جو کچھ وہ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝   چاہیں گے، ان کے پروردگار سے ان کو ملے گا۔ یہی بدلہ ہے ۲۲
جو نیک کام انجام دینے والوں کے لیے سب سے بڑا فضل الٰہی ہے [1]

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ   اور وہی غفور و رحیم تو تمہارا معبود و کارساز ہے
عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ   کہ اس کے بندوں نے خواہ کتنی ہی نافرمانیاں کی ہوں
وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَيَسْتَجِيْبُ   خواہ کتنی ہی سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہوں، لیکن ۲۵
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ   جب وہ اس کے آگے توبہ کا سر جھکاتے ہیں اور ہر طرف
مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝   سے کٹ کر صرف اسی کا ہو جانا چاہتے ہیں تو وہ ان کی توبہ ۲۶
قبول فرما لیتا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اور تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو، اسے رتی رتی معلوم
ہے اور جو لوگ اس کے احکام پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے تو وہ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ
کھول دیتا ہے، ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی آرزؤں کو پورا کرتا ہے اور اپنے فضل بندہ نوازی سے انھیں
حق سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے[2] (اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔)

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ   اور وہی خدا تو ہے کہ جب خشک موسم میں لوگ
بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَ   بارش کی طرف سے بالکل ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں تو
هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝   وہ اپنی رحمت سے بادلوں کو پھیلا دیتا ہے اور مینہ برسنا ۲۸
شروع ہو جاتا ہے۔ وہی کارساز حقیقی سزاوار حمد و تقدیس ہے [3]

قرآن میں آثار و قدرت الٰہی کو بیان کرتے ہوئے بارش کے نزول اور زمین کی حیات نباتی پر جا بجا زور دیا گیا ہے، مگر فی الحقیقت یہ ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے سے ہر طرح کی اخلاقی و روحانی ہلاکت اور حیات بخشی کا سمجھانا مقصود ہے۔ عربی میں یاس اور قنوط ناامیدی کے معنی میں مرادف الفاظ ہیں مگر قنوط کا اطلاق اس ناامیدی پر ہوتا ہے جو یاس سے بھی زیادہ سخت و شدید ہو، نیز جس میں نیک توقعات سے مایوسی ہو۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝   اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں [4] ۳۷
وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَ   اور ان کو حکم دیا کہ مشورہ کر کے تمام کام انجام دیں [5] اور
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ   جو کچھ روزی انھیں دے رکھی ہے، نیکی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں [6]۔ ۳۸
اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝   خدا کے پاس کی وہ اجرت جو سراسر خیر اور دائمی ہے ان ۳۹

[1] الہلال ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۱۰   [4] الہلال ۲ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۷، نیز ایک ٹکڑے کے لیے ملاحظہ ہو البلاغ
۱۴ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴   [5] الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷، [6] الہلال ۴ اگست ۱۹۱۲ء ص ۹۔
[3] الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۸۔   [7] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۲۷

سورۃ شوریٰ

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ
مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ
يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ
11 وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا[1] اس نے تمہارے
لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیے (مرد کے لیے
عورت اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چارپایوں میں
بھی جوڑے پیدا کر دیے[2] پھیلاتا ہے تم کو اس طرح[3] اس کی
مثل کوئی شے نہیں کسی چیز سے بھی تم اسے مشابہ نہیں ٹھہرا
سکتے[4] اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے[5]

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا
وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ
13 وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ

تمہارے لیے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا جس کے لیے
نوح کو وصیت کی گئی تھی اور اے پیغمبر اسلام جس کے لیے
ہم نے تم پر وحی کی ہے۔ نیز یہ وہی راستہ ہے جس کے لیے
ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی وصیت کی تھی کہ دینِ
الٰہی کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو[6]

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ
كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ
15 اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

(اے پیغمبر!) تو ان کو دعوت دے اور جو حکم دیا
گیا ہے اس پر قائم ہو جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل
اور ان کو کہہ دے کہ تمام اتری ہوئی کتابوں پر میرا
ایمان ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ عدل کروں۔ وہی اللہ
ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے۔ ہمارا عمل
ہمارے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے۔ جھگڑنے
کی کوئی بات نہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک جا جمع کر دے گا اور
سب کو اسی کی طرف جانا ہے[7]

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ
مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ

نافرمانوں کو تم دیکھو گے کہ انھوں نے جیسے جیسے
عمل انجام دیے ہیں، اس کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے
(ان کا ضمیر ڈرا ہوگا) حالانکہ اس کے نتائج ان کو ضرور بھگتنے
ہیں۔ اور (البتہ) جو لوگ ایمان لائے اور اعمال حسنہ انجام دیے

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۸۳۔ [2] ترجمہ شیخ الہندؒ [3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۵۶
[4] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۵۱۵۔ [5] البلاغ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲۔ ترجمان القرآن جلد اول
ص ۱۸۵ پر آخری ٹکڑے کا ترجمہ یوں کیا ہے: (ان سب کی تعلیم یہی تھی کہ) الدین (خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو اور اس راہ
میں الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ [6] ۷ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۹۔

سورۃ الزخرف

۱-۲ حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ
اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ

حامیم اور کتاب روشن۔ ہم نے اسے اس شکل میں بنایا کہ عربی زبان کا قرآن ہے تاکہ تم سمجھو بوجھو۔ ۳

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پہلوں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں) میں مبعوث کیے ہیں[1] ۶

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ

کشتی اور جانور تمہارے لیے پیدا کیے تاکہ تم ان کی پیٹھ پر سیدھے سوار ہو۔ پھر اپنے خدا کے احسان یاد کرو ۱۲
اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے مخلوقات کو مسخر کر دیا اور ہم اپنی قوت سے انھیں مسخر نہ کر سکتے[2] ۱۳

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

(اے پیغمبر!) انسان کی قومی و جماعتی گمراہی کا ظہور کچھ تمہارے ہی سامنے ایسا نہیں بلکہ اس کا عام اور یکساں حال ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے۔ تمھیں اپنے سے پہلے کوئی بستی ایسی نظر نہیں آئے گی، جس میں اللہ کی طرف سے ڈرانے والے آئے ہوں اور انھوں نے قوموں سے بڑوں سے یہ جواب نہ پایا ہو کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی قومی طریقے پر چلتا پایا اور ہم بھی انھیں کے طریقے پر چلیں گے[3]

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا (تم جن دیوتاؤں) کی پرستش کرتے ہو، مجھے ان سے ۲۶
کوئی سروکار نہیں۔ میرا رشتہ ہے تو اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گی[4] ۲۷

فطرت صحیحہ اور خلقیہ مستقیمہ انبیائے کرام کے اندر سے نمایاں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ خدا کے اس احسان کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ یہی فطرت اصلیہ صالحہ ہے، جو ان کے عصر و دور کی عام تاریکی و ضلالت کے اندر چمک کر حقیقت مجوبہ کا روشن رات دیتی ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۸۲
[2] البلاغ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۲۲
[3] البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۴
[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۸۵ نیز الہلال ۲۷ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۵ البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
۴۰ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ
ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ
۴۱ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ
۴۲ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ
۴۳ لَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

لوگوں کے لیے ہے، جو اس سے سرکشی اور بغاوت کا جو ان کے ساتھ کی جائے، انتقام لیتے ہیں - بدی کا بدلہ ویسا ہی بدی ہے- البتہ جو معاف کردے اور صلح کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے- وہ ظالموں کو پیار نہیں کرتا- جو اپنی مظلومی کے بعد ظلم کا انتقام لے تو اس پر کوئی الزام نہیں- الزام تو انھیں پر ہے، جو خود لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں- یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے، مگر جو صبر کرے اور دوسروں کی خطا بخش دے تو یہ بڑی ہی عالی حوصلگی کے کام ہیں[1]

مسیح علیہ السلام کی تعلیم صرف اخلاق ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت صرف قانون ہے لیکن وہ جس نے کہا کہ میں خانہ نبوت کی آخری اینٹ ہوں، وہ جس طرح ایک معلم اخلاق تھا، اسی طرح ایک مقنن آئین وقانون بھی تھا- اسلام اور شرائع سابقہ کا یہ فرق ایک نہایت اہم اور اصولی نکتہ دقیق ہے-

---

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ
مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا
۴۷ لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا
فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا
الْبَلٰغُ ؕ

اے غافل لوگو! اس فیصلہ کن دن کے آنے سے پہلے اپنے خدا کا کہا مان لو جو اس کی طرف سے اعمال بد کے نتائج میں آنے والا ہے اور اس کا ٹلنا ممکن نہیں- اس دن نہ تو تمھارے لیے کہیں پناہ ہوگی اور نہ اپنے اعمال بد سے انکار ہی کر سکوگے- اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے پیغمبر) ہم نے کچھ تم کو ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں تمھارے ذمے تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے- ماننا یا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے[2]

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ
۵۲ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ
مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
۵۳ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

اور (اے پیغمبر) بلاشبہ تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو- صراط اللہ یعنی اللہ کی راہ کی طرف، وہ اللہ کہ آسمان اور زمین جو کچھ ہے، سب اسی کا ہے- ہاں یاد رکھو (کائنات خلقت کے) تمام کاموں کا مرجع اسی کی ذات ہے[3]

---

[1] الہلال ۱۲، ۱۹ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶ [2] الہلال ۲۳- اپریل ۱۹۱۳ء ص ۳ [3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۱۹

سورۃ الدخان

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝

خدا کے ان بندوں کو میرے حوالے کرو میں تمہارے پاس ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں[۵۱]۔

حضرت موسیٰ نے فرعون کے آگے اپنی تبلیغ کا مقصد یہ نہیں بتایا کہ فسق و فجور چھوڑ دو۔ گناہ اور شرارت سے باز آجاؤ۔ اولین مطالبہ یہ کیا کہ خدا کے جن بندوں کے پاؤں میں محکومی اور غلامی کی زنجیریں ڈال دی ہیں انھیں چھوڑ دے۔ خدا کے بندے خدا کی امانت ہیں۔ ظالم و مستبد اس امانت کا مستحق نہیں۔ ادوا "الاداۃ" سے ہے جس کے معنی دفع الحق یعنی کوئی چیز دے دینا جو لینے والے کا حق تھا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ۝

میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ تمہارا تعاقب کیا جائے گا (ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ) دریا کو ساکن چھوڑ دو اور نکل بھاگو۔ فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں ڈوب جائے گا چنانچہ حکم الٰہی پورا ہوا اور وہ سب کے سب دریا کی لہروں میں نابود ہو گئے۔ پھر دیکھو وہ کون لوگ تھے؟ ان کی کیسی شان و شوکت تھی؟ کیسا جاہ و جلال تھا؟ کیسا گھمنڈ اور کیسی شرارتوں سے بھری ہوئی صدائیں تھیں؟ لیکن بالآخر خدا کے عذاب سے (انھیں کوئی طاقت بچا نہ سکی) کس قدر سر سبز باغ، کیسی کیسی نہریں، شاداب و سر سبز زراعت گاہیں عالی شان اور پر تکلف عمارتیں، عیش و نشاط کی نعمتیں غرض وہ سب کچھ دنیوی جاہ و جلال میں سے ان کے پاس تھا اور جن کے اندر وہ بے فکری کے مزے اڑا رہے تھے، اپنے بعد چھوڑ گئے اور ہم نے دوسری قوموں کو ان کا وارث بنایا، جو ان پر قابض ہو گئیں۔ باوجود اس دردناک عذاب کے نہ تو آسمان ان پر رویا اور نہ زمین ہی نے آنسو بہائے اور نہ انھیں اپنی حالت کی اصلاح کی مہلت دی گئی، کیونکہ مہلت پوری ہو گئی تھی اور آسمان و زمین کا خداوند جب ناراض ہو جائے تو پھر تمام کائنات ہستی میں کون ہے؟ جو ان بد بختوں سے راضی ہو سکتا ہے[۵۲]؟

مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ ہے کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا اور ہم نے انھیں نہیں پیدا کیا، مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔ مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے[۵۳]۔

یہاں تخلیق بالباطل کو "تلعب" سے تعبیر کیا یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی معقول مقصد کے کرنا۔

---

۵۱ البلاغ ۲۸ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۱ و ۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۲ ۵۲ البلاغ ۴ / ۱۴ / ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۲

۵۳ ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۸۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ
مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ ٣٢
وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ
اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ
بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ
وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○ ٣٣
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا
يَتَّكِـُٔوْنَ ○ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ ٣٤
كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ
رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ وَمَنْ ٣٥
يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ
لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ
قَرِيْنٌ ○ ٣٦

(کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو) ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی اور ایک کو کئی درجے دوسرے پر بلند کیا تاکہ ایک دوسرے کو اپنے کام میں مدد کے لیے سکیں[1] (اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے سب چیزوں سے جو وہ سمیٹتے ہیں)[2]

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو سازو سامانِ دنیا تو ہمارے یہاں اس درجہ حقیر و ذلیل ہے کہ جو منکرانِ حق اور پرستارانِ دنیا ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور چاندی ہی کی سیڑھیاں ہوتیں، جن پر چڑھ کر وہ چھت پر پہنچتے اور چاندی ہی کے دروازے ہوتے اور چاندی ہی کے تخت، جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے اور یہ تو مثال کے لیے چاندی کی قید لگائی گئی۔ سمجھ لو کہ چاندی نہیں بلکہ یہ سب کچھ خالص سونے ہی کا بنا دیا جاتا ہے لیکن پھر یہ تمام سازو سامان اس دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدے کے ہیں اور آخرت کی کامیابی تو اللہ کے پاس صاحبانِ اتقاء وحق کے لیے ہے[3]۔ خدا کی یاد سے جو غافل ہوتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پھر وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے[4]

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

اللہ ہی میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ پس اسی کی بندگی کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے[5]

---

[1] البلاغ ۱۰ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۹
[2] ترجمہ شیخ الہند۔ نیز پہلا ٹکڑا جو قوسین میں ہے۔
[3] الہلال ۲۱ مئی ۱۹۱۳ء ص ۵
[4] الہلال ۹ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲۳ "الہلال" ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۵ و ادا جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان متقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے۔
[5] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۱۶

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

ہدایت و رحمت کا یقین رکھنے والوں کے لیے۔ جو لوگ برائیاں
کرتے ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے ٢٠
جو ایمان لائے اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو
جائیں، زندگی میں بھی، اور موت میں بھی؟ اگر ان لوگوں کے
فہم و دانش کا فیصلہ یہی ہے تو کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ
اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بیکار
وعبث نہیں بنایا بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ٢١
ہے اور اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہر جان اپنی کمائی کے
مطابق بدلہ پالے اور ایسا نہیں ہوگا کہ ان کے ساتھ
ناانصافی ہو۔[1]
٢٢

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○

اور اس وقت ان سب سے کہا جائے گا کہ جس طرح
تم نے اس دن کی حکومت الٰہی کو بھلا دیا تھا، آج ہم بھی
تم کو بھلا دیں گے۔ تمھارا ٹھکانا آگ کے شعلے ہیں اور کوئی
نہیں جو تمھارا مددگار ہو۔ یہ اس کی سزا ہے کہ تم نے خدا کی ٣٤
آیتوں کی ہنسی اڑائی اور دنیا کی زندگی اور اس کے کاموں
نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو عذاب
سے تم نکالے جاؤ گے اور نہ ہی تمھیں اس کا موقع ملے گا کہ
توبہ و استغفار کرکے خدا کو منالو کیونکہ اس کا وقت تم نے
کھو دیا۔[2]
٣٥

سورۃ الاحقاف

اِئْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

اگر تم (قبول پیام حق سے) انکار میں سچے ہو تو ثبوت
میں کوئی کتاب پیش کرو، جو اب سے پہلے نازل ہوئی ہو
یا کم از کم، علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی لا دکھاؤ جو ٤

---

[1] یہ آیتیں متعدد مقامات پر ملیں گی کلاً یا جزواً، مثلاً الہلال ۲ جنوری ۱۹۱۴ء، ۱۲ جنوری ۱۹۱۴ء، ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۹،
ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۱۶

[2] الہلال یکم جولائی ۱۹۱۴ء ص ۷

سورۃ جاثیہ

١ حٰمٓ ○ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ
٢ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ○ اِنَّ
فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ
٣ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ
وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ
٤ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ○ وَ اخۡتِلَافِ
الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ
فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ
مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ
الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ
٥ یَّعۡقِلُوۡنَ ○

حامیم۔ یہ اللہ کی طرف سے کتاب (ہدایت) نازل
کی جاتی ہے، جو عزیز اور حکیم ہے۔ بلاشبہ ایمان رکھنے والوں
کے لیے آسمانوں اور زمین میں (معرفت حق کی) بے شمار نشانیاں
ہیں نیز تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنھیں اُس نے
زمین میں پھیلا رکھا ہے۔ ارباب یقین کے لیے بڑی ہی
نشانیاں ہیں۔ اس طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے
آتے رہنے میں اور اس سرمایہ رزق میں جسے وہ آسمان سے
برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور
ہواؤں کے ردّ و بدل میں ارباب دانش کے لیے بڑی ہی
نشانیاں ہیں اور (اے پیغمبر) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو فی الحقیقت
ہم تمھیں سنا رہے ہیں۔ پھر اللہ کی اور اس کی آیتوں کے بعد
کونسی بات باقی رہ گئی ہے، جسے سن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے[1]

یہ اللہ کا قانون ہے کہ باران رحمت نمودار ہوتا اور زندگی کی برکتوں سے زمین نے ایک ایک کو مالا مال کر دیتا ہے۔ پھر
کیا یہ ضروری نہیں جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے تو باران رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح
کو پیام زندگی پہنچاوے؟ روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وحی الٰہی ہے۔ تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور
مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ پھر اس پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

وَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی
السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ
جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ
١٣ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ○

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ
نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے (ان کی قوتیں اور تاثیریں
اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح
چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر
کرنے والے ہیں، اس بات میں معرفت حق کی بڑی نشانیاں ہیں[2]

ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ

(قرآن) لوگوں کے لیے واضح دلیلوں کی روشنی ہے اور

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ٧٥

[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ٦٥ نیز دیکھیے کتاب مذکور ص ٧٠

هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ○
کی طرف سے ان کے لیے پیام حق ہے۔ سو وہ یقین
کریں کہ ان کے تمام گناہ جھڑ گئے اور ان کے دل کو
سنوار دیا گیا۔[1] ٢

عمل صالح انسان کے دل کو سنوارتا ہے اس لیے پچھلے گناہوں کا جو داغ دل میں ہوتا ہے، اسے بھی مٹا دیتا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ۟
جب تمہارا اور کفار کا مقابلہ میدانِ جنگ میں ہو تو
ان کی گردن اڑا دو یہاں تک کہ جب خوب خونریزی ہو چکے
(تو انھیں خوب مضبوط باندھ لو) اس کے بعد یا تو احسان رکھ
کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ لڑائی موقوف
ہو جائے۔[2] ٤

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○
(اے ایمان والو!) اگر تم خدا کے کلمۂ حق کی مدد کرو گے
تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے اندر مضبوطی پیدا ٧
ثابت قدمی پیدا کر دے گا۔[3]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ○
یہ اس لیے ہوا کہ ایمانداروں کا مالک اور کارساز خدا
ہے اور جو خدا کی قدرت کے منکر ہیں، ان کا کوئی بھی مالک و کارساز نہیں[4] ١١

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ○
کیا وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے بتلائے ہوئے سیدھے
راستے پر ہیں، ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں، جنھیں اپنے
احوال بد میں خوبی نظر آتی ہے اور وہ ہوائے نفس پر چلتے ہیں۔[5] ١٤

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ○
پھر کیا یہ لوگ آخری فیصلہ کر دینے والی گھڑی کے
منتظر ہیں کہ اچانک ان پر آ نازل ہو؟ سو اگر اسی کا انتظار ہے
تو اس کی نشانیاں تو آ چکیں اور جب وہ گھڑی خود آ جائے گی ١٨
تو اس وقت ان کے لیے کیا ہوگا؟[6]

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
(اس میں قتال کا ذکر ہوا) جن لوگوں کے مرض ضلالت

---

[1] البلاغ ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵ [2] الہلال ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۱۲ نیز دیکھیے ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۶۶
[3] البلاغ ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۸ ج [4] ۱۰ جون ۱۹۱۳ء ۲۱ جنوری ۱۹۱۴ء کے الہلال میں اس کا ترجمہ یوں ہے:
ایسا ہونا اس قانونِ الٰہی کی بنا پر ہے کہ ارباب ایمان و حق کا سرپرست تو خدا تعالیٰ ہے اور وہ جو باطل پرستی اور ضلالت کے داعی ہیں
ان کا کوئی مددگار نہیں جو ان کے کاموں میں مدد کرے۔ [5] الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴ [6] البلاغ ۳ ، ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء ص ۴۔

جو تمھارے پاس موجود ہو[۱]

(قرآن کہتا ہے کہ) اگر تمھیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے تو کسی مذہب کی الہامی کتاب سے بھی ثابت کر دکھاؤ کہ دینِ حقیقی کی راہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے بلکہ علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے ثابت کر دکھاؤ کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں یہی پچھلی دعوتوں کی تعلیم نہیں رہی۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ	جن لوگوں نے اللہ کو اپنا مددگار سمجھا اور اپنے
ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ	اندر استقامت پیدا کر لی تو پھر نہ تو ان کے لیے کسی
۱۳ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○	طرح کا خوف ہے اور نہ کسی ناکامی و نامرادی کا غم[۲]

ہمیشہ وہی خیال دماغوں میں پیدا ہوئے۔ بعض نے سمجھا کہ کچھ نہیں کر سکیں گے اور بعض نے خیال کیا کہ چاہیں گے تو سب کچھ کر لیں گے۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہی نکلا کہ کچھ نہ ہوا، دوسرے نے چٹیل میدانوں کو ایوان و محل، ویران جنگلوں کو آباد و شاداب، غلاموں کو آزاد، ایک گڈریے کو صاحب تاج و تخت اور ایک مردہ قوم کو زندہ و قائم کر دیا، البتہ استقامت شرطِ راہ اور دلیل وصول بارگاہ ہے۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ	اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور
كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ	تکلیف کے ساتھ جنا اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کم از کم تیس مہینے
۱۵ شَهْرًا ۚ	کی ہے[۳]

ربوبیت الٰہی کی کارسازی پر غور کرو کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کر دی گئی ہے اور کس طرح اس جذبے کو طبیعت بشری کے تمام جذبات سے زیادہ پرجوش اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا گیا ہے! (پھر جب) بچے کا عہدِ رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے، ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ربوبیت الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کے لیے دودھ کی ضرورت نہیں رہی۔

يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا	(یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان
۲۵ إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ	سے وعدہ ہے جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی)[۴]

آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے نشاۃ ثانیہ تک گزرتی ہے، ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ۔ سورۂ مومنون کی آیت ۱۱۲، سورۂ روم کی آیت ۵۰، سورۂ نازعات کی آخری آیت (کی طرح احقاف کی یہ آیت بھی اس حقیقت کی دلیل ہے)[۵]

سورۃ محمّد

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور قرآن
وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّ	حکیم پر یقین کیا (جو محمدؐ پر نازل کیا گیا) اور جو ان کے پروردگار

---

[۱] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۸۵

[۲] الہلال ۱۵ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۱۹

[۳] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۴

[۴] ترجمہ شیخ الہندؒ

[۵] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۵۸، ۱۵۹

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَ
مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ ۚ
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں
دشمنانِ حق کے مقابلے میں نہایت سخت مگر آپس میں نہایت
رحمدل ہیں۔ انھیں تم ہمیشہ اللہ کے آگے عالمِ رکوع و سجود
میں پاؤ گے کہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طالب ہیں۔
ان کی پیشانیوں پر کثرتِ سجود کی وجہ سے نشان بن گئے ہیں[1]۔
یہی جماعت ہے جسے تورات و انجیل میں ایک کھیتی سے
تمثیل دی ہے[2]

مثل اس کھیتی کے کہ اس نے پہلے زمین سے اپنی پہلی کونپل
نکالی۔ پھر اس نے غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب
کر کے اس کونپل کو قوی کیا۔ پس وہ بتدریج بڑھتی اور موٹی
ہوتی گئی، یہاں تک کہ کھیتی اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی
۲۹ اور اپنی سرسبزی و شادابی سے کسانوں کو خوشی بخشنے لگی۔ خدا
نے یہ ترقی انھیں اس لیے عطا کی کہ کفار اسے دیکھ کر غصے میں جلیں[3]۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے وعدہ
فرماتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ اختیار کیے[4] ۔کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

---

[1] الہلال ۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء ص ط ۔ ۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے الہلال میں اشدآء علی الکفار رحماء بینہم کا ترجمہ یوں کیا ہے: کافروں کے لیے نہایت سخت مگر آپس میں نہایت رحیم و ہمدرد۔

[2] "الہلال" ۱۲، ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء ص ط

[3] الہلال ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ٦

[4] الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۵ ۔ ٦

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ — سے بیمار ہو رہے ہیں (اعلانِ حق کے وقت) تم ان کو دیکھو گے
۲۰ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ ○ — کہ تمہاری طرف ایسے خوفزدہ ہو کر دیکھ رہے ہیں، جیسے کسی
پر موت کی بے ہوشی طاری ہو اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔[۱]
فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ — پھر کیا تم چاہتے ہو کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور
۲۲ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ — خدا کے قائم کیے ہوئے رشتوں کو قطع کر دو۔[۲]
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ — کیا لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر غور نہیں کرتے
۲۴ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ — یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟[۳]
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ — اور ہم تم کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ معلوم کریں
۳۱ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ○ — کہ کون تم میں مجاہد و صابر ہیں نیز تمہاری اصلی حالت کو جانچ لیں۔[۴]

سورة الفتح

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ — وہ خدا ہی تو تھا جس نے مسلمانوں کے افسردہ دلوں
قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا — میں اپنی طرف سے قوت اور اطمینان کی روح پیدا کر دی تاکہ
مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ — ان کی ایمانی قوت میں تازگی پیدا ہو جائے۔ زمین کے جانفروشانِ
۴ الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ — حق اور آسمان کے ملائکہ نصرت دونوں کی فوجیں اللہ کے ہاتھ
میں ہیں۔ بیشک وہ علیم و حکیم ہے۔[۵]
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ — (اے پیغمبر) بلاشبہ ہم نے تمہیں شہادت دینے والا،
۸ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ — بشارت پہنچانے والا اور ضلالت و خباثث سے خوف دلانے
والا بنا کر بھیجا ہے۔[۶]
اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ — جو لوگ داعی اسلام کے ہاتھ میں اتباع و بیعت کا
اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ — ہاتھ دیتے ہیں تو ان کے ہاتھ پر اس کا (داعی اسلام کا)
۱۰ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ — ہاتھ نہیں ہوتا، بلکہ دراصل خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔[۷]

---

۱ الہلال ۶ ر ۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔
۲ البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۷۔
۳ الہلال ۲۲۔ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷۔
۴ الہلال ۲۳ اگست ۱۹۱۳ء۔
۵ الہلال ۲۹ جنوری ۱۹۱۳ء ص ۳
۶ الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۶
۷ الہلال ۱۸ جون ۱۹۱۳ء ص ۷۔

إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○

اپنی سرکشی پر اڑی رہے تو اس سے اس وقت تک جنگ کرو، جب تک کہ وہ فرمان الٰہی کی طرف رجوع نہ کرے۔ جب وہ باغی جماعت فرمان الٰہی کی طرف رجوع کرے تو پھر باہم عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔ اللہ صلح کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[1]

9

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○

مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اڑائے۔ شاید وہ اس سے بہتر ہو اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی ہنسی اڑائے۔ شاید وہ عورتیں اس سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کی تحقیر کی غرض سے اشارہ بازیاں نہ کرو۔ لوگوں کے نام نہ بگاڑو۔ ایمان لانے کے بعد ایسے کاموں کا ہونا کیسی بری بات ہے اور جو لوگ اس سے رجوع نہیں کرتے، یقیناً ظالم ہیں[2]

11

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ○

مسلمانو! بہت بدگمانیاں کرنے سے اجتناب کیا کرو۔ دوسروں کے حالات کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے بدگوئی نہ کرو، کیا تم پسند کرتے ہو کسی بھائی کی لاش پڑی ہو تم اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھاؤ؟ کیا تم کو گھن نہیں آئے گی؟ خوفِ خدا کرو، خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحمت والا ہے[3]

12

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اس لیے کہ باہم پہچانے جاؤ ورنہ دراصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز و شرف اسی کے لیے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے[4]

(بلاشبہ اللہ علیم و خبیر ہے)

13

---

[1] الہلال یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۱۳ — [2] الہلال ۲ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۷ — [3] الہلال ۱۸ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۱۰

[4] الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۶

سورۃ حجرات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا
بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ
۱ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ
لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ
۲ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○

اے مسلمانو! جب آنحضرت کے حضور عرض
حال کرو تو اپنی آوازوں کو ان کی آواز سے زیادہ بلند
کر کے گفتگو نہ کرو اور نہ بہت زور سے بات چیت کرو،
جیسا کہ آپس میں کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی
کے سبب تمھارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور
تمھیں خبر بھی نہ ہو[1]

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ
۴ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○

(اے پیغمبر) جو لوگ تمھیں مکان کے باہر سے نام لے
کر پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر ایسے ہیں، جنھیں مطلق عقل و تمیز
نہیں بہتر تھا کہ وہ صبر کرتے اور جب تم باہر نکل آتے مل لیتے[2]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ
فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ
۶ نَادِمِينَ ○

مسلمانو! اگر تمھارے پاس ایک فاسق کوئی خبر
لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ اس خبر کی بنا پر
غلطی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور آخر میں اس پر
نادم ہونا پڑے[3]

قبیلۂ بنو مصطلق تمام احکام اسلام کا مطیع ہو چکا تھا۔ آنحضرت نے ولید بن عقبہ کو صدقے کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں کو خبر ہوئی تو استقبال کے لیے جمعیت عظیم کے ساتھ آگے بڑھے، لیکن ولید کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے آ رہے ہیں، چنانچہ وہیں سے پلٹ آئے۔ آنحضرتؐ کو خبر کی کہ وہ لوگ دائرہ اطاعت سے باہر ہو گئے۔ آپ نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مفسرین کرام کو اس شان نزول پر یہ شبہ ہے کہ غلطی کی بناء پر ولید بن عقبہ جیسے جلیل القدر صحابی کو فاسق نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس آیت کا تعلق درحقیقت ان کی ذات سے مخصوص نہیں۔ خدا نے ایک عام اصول کے طور پر بتا دیا ہے۔ کہ جب زمانہ جنگ میں خود مسلمان غلطی کر سکتے ہیں تو فاسق لوگوں کی روایات کو تو اور احتیاط سے قبول کرنا چاہیے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ولید بن عقبہ کو کسی شریر شخص نے اس استقبال کے متعلق غلط خبر دی ہو اور اسے اقدام و ہجوم کی شکل میں دکھایا ہو۔ اس بنا پر خدا نے فاسق کا اطلاق اسی شخص پر کیا۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آمادہ جنگ ہوں تو ان
دونوں میں صلح کرا دو۔ اور اگر ان دو جماعتوں میں سے ایک

---

[1] الہلال ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱، ۱۲

[2] الہلال ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱

[3] البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۹

سورۃ الذّاریٰت

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ — قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اڑائے اڑائے ۱

وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ — لیے پھرتی ہیں پھر مینہ کا بوجھ اٹھاتی آہستہ آہستہ چلتی، پھر ۲-۳

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ — بارانِ رحمت زمین پر تقسیم کرتی ہیں[1] ۴

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ — اور ان لوگوں کے لیے جو (سچائی پر) یقین رکھنے ۲۰

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا — والے ہیں (خدا کی کارفرمائی کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے

تُبْصِرُوْنَ ۝ — وجود میں بھی۔ پھر کیا تم نہیں دیکھتے ہو؟[2] ۲۱

فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ — آسمان اور زمین کے رب کی قسم (یعنی آسمان اور زمین

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ — کے پروردگار کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے) بلاشبہ ۲۲

وہ معاملہ (جزا و سزا کا معاملہ) حق ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ بات کہ تم گویائی رکھتے ہو[3]

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ — اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی دو

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ — دو اور متقابل اشیا پیدا کیں) شاید تم غور و فکر کرو[4] ۴۹

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى — اور ذکر کرو کہ ذکر صاحبان ایمان کے لیے ضرور

تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ — نفع بخش ہے[5] ۵۵

سُوْرَۃُ الطُّوْر

كُلُّ امْرِیءٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ — ہر انسان اپنی کمائی کے نتیجے کے ساتھ بندھا ہوا ہے[6] ۲۱

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ — یا ان کا ارادہ مکر و فریب پھیلانے کا ہے؟ اگر

كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ — ایسا ہے تو یاد رکھیں کہ یہ منکر خود ہی شیطان کے فریب ۴۲

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ — میں پڑے ہیں یا پھر خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ ۴۳

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا — اگر یہی بات ہے تو یقین کرو، اللہ کی ذات ان

يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ — کے شرک سے پاک ہے۔[7] ۴۴

---

[1] الہلال۔ ۹۔ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۴

[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۔

[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۷۔ نیز ص ۱۷۱۔ الہلال ۲۵۔ جون ۱۹۱۳ء ص ۵

[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۳

[5] الہلال ۳ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۵

[6] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۱۷

[7] الہلال ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۷

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ
تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ
١٤ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا
يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

یہ جو عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو ان سے کہہ دو کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد کامل کا نام ہے جو تمھیں نصیب نہیں) البتہ یوں کہو کہ ہم نے اس دین کو مان لیا[1] (اور اگر حکم پر چلو گے اللہ اور اس کے رسول کے، کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ، اللہ بخشتا ہے مہربان ہے[2]

سورۃ ق

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ
كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا
٦ مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا
٧ فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝
تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ
٨ مُّنِيْبٍ ۝

کیا ان لوگوں نے کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے؟ پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں اور اسی طرح زمین کو دیکھو، کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا دیا اور پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے۔ پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگا دیں۔ پھر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے، اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے[3]

جس طرح قرآن نے ربوبیت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے، اسی طرح وہ رحمت کے آثار و حقائق سے بھی جا بجا استدلال کرتا ہے۔ ممکن نہیں کہ فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائنات خلقت کے افادہ و فیضان، زینت و جمال، موزونیت و اعتدال، تسویہ و قوام اور تکمیل و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے، در اصل اسی استدلال پر مبنی ہیں۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ
٢٩ مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

ہمارے یہاں جو بات ایک مرتبہ ٹھہرا دی گئی ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی اور یہ بھی نہیں کہ ہم بندوں کے لیے زیادتی کرنے والے ہوں[4]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى
لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى
٣٧ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝

بلاشبہ اس میں بہت بڑی بصیرت ہے اس کے لیے جو اپنے پہلو میں سوچنے والا دل رکھتا ہو، جس کے سر میں سننے والا کان ہو[5]

---

[1] الہلال ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۵ [2] ترجمہ شیخ الہند
[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۷ [4] ایضاً ص ۷۶ [5] الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۵

سورۃ القمر

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ — ہم نے موسلا دھار مینہ سے آسمان کے دروازے
مُّنْهَمِرٍ ○ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا — کھول دیے۔ زمین کے سوتے جاری کر دیے، آخر جو اندازہ ۱۱
فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○ — مقرر ہو چکا تھا اسی کے مطابق آسمان کے پانی مل گئے[1] ۱۲

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ — کفار کی جمعیت عنقریب منہزم ہو جائے گی اور
الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ — وہ پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ بلکہ ابھی ان کا وعدہ ہے اور ۴۵
السَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ — وہ گھڑی بڑی مصیبت کی تلخ ترین گھڑی ہے۔ یہ گناہ گار ہیں ۴۶
فِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ — یہ گمراہی اور آگ میں ہیں۔ وہ دن آنے والا ہے جبکہ منہ کے ۴۷
فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ — بل یہ آگ میں کھینچے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ عذاب
سَقَرَ ○ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ — دوزخ کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے ۴۸-۴۹
وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○ — اور ہمارے حکم کو ذرا ایک آنکھ جھپکنے کی طرح پہنچا ہوا سمجھو۔ ۵۰
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ — دیکھتے نہیں کہ ہم نے تمہارے حامیوں کو ہلاک کر دیا تو کیا اب
مُّدَّكِرٍ ○ — بھی تم میں کوئی غور و فکر سے کام لینے والا نہیں؟[2] ۵۱

سورۃ الرحمٰن

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ وَّ — سورج اور چاند ایک خاص نظام کے ماتحت گردش ۵
النَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ وَالسَّمَآءَ — کر رہے ہیں اور درختوں نے بھی اپنے بلند سروں کو اس ۶
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا — نظام کے آگے جھکا دیا ہے۔ یہ فطری نظام قدیم سے ہے۔ خدا ۷
فِى الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ — نے جب آسمان کو پیدا کیا اور اسے بلند کیا تو اسی وقت ایک ۸
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○ — میزانِ عدل بھی قائم کر دیا جس طرح آفتاب و مہتاب و درخت ۹
اور آسمان اپنے محدود نظامِ عدل سے تجاوز نہیں کرتے، اسی طرح تم بھی اس میزانِ عدل کو پوری عدالت کے
ساتھ قائم رکھو اور اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔[3]

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ○ — اس نے کھاری اور میٹھے پانی کے دو سمندر جاری ۱۹
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ○ — کیے کہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں پھر بھی ایک دوسرے ۲۰

---

[1] الہلال ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء
[2] الہلال ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲ انا کل شیٔ خلقناہ بقدر کا ترجمہ ترجمان جلد اول ص ۳۰۸ پر یوں کیا ہے: ہم نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ایک خاص اندازے سے پیدا کی ہے۔
[3] البلاغ ۱۴، ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۹

سورۃ نجم

۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ — اور وہ اپنی خودی اور ارادے سے کچھ نہیں کہتا اس
۳ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ — کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے، وہی ہے جو اس پر وحی ہوتا ہے[۱]

۱۹ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ — کیا تم نے لات اور عزّٰی نامی بتوں کو نہیں دیکھا ہے؟
۲۰ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ — اور وہ جو ایک سب سے بڑا تیسرا بت ہے جس کا نام منات ہے؟[۲]

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ — اور اس بارے میں ان کے پاس کوئی اور ذریعہ تحقیق
يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ — ویقین نہیں۔ محض اپنے گمان پر چل رہے ہیں اور راہ ظن وتخمین
۲۸ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۝ۚ — کا یہ حال ہے کہ وہ حقیقت وعلم کے سامنے کچھ کارآمد نہیں[۳]

---

[۱] الہلال ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۱۴

[۲] الہلال ۵ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۵

[۳] الہلال ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۵ مَا أَصْحَابُ	اور اصحاب الیمین، اصحاب الیمین کا کیا کہنا ان کے	
الْيَمِينِ ۝ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝ وَ	لیے باغ و بہار کی دائمی خوشیاں اور نظارے ہیں	۲۸-۲۷
طَلْحٍ مَّنضُودٍ ۝ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝	رہتے ہیں بیری کے درختوں میں جن میں کانٹا نہیں	۳۰-۳
وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝	اور کیلے تہ بر تہ اور سایا لمبا اور پانی بہتا ہوا۔)	۳۲-۳
لَّا مَقْطُوعَةٍ ۝ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝	جو نہ تو کبھی رک کے جا سکیں گے اور نہ کبھی ان کا سلسلہ ٹوٹے گا۔[2]	۳۴-۳۱
وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۵ مَا أَصْحَابُ	اور اصحاب شمال وہ ہیں کہ ان کے لیے تپش و سوزش	
الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝ وَ	اور کھولتے ہوئے پانی کی سی گرمی ہے۔ یہ وہ لوگ	۴۲-۴
ظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَلَا	ہیں کہ پہلے بڑے آسودہ حال تھے، مگر یاداش عمل	۴۳
كَرِيمٍ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۝	میں ان کا یہ حال ہو گیا ہے[1]	۴۵-۴
أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝	(اچھا تم نے اس بات پر غور کیا تھا کہ جو کچھ	۶۳
أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ	کشت کاری کرتے ہو، اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟	
الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ	اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے	۶۴
حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝	کے لیے رہ جاؤ کہ افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان	۶۵
إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ	دینا پڑے گا۔ بلکہ ہم تو اپنی محنت کے تمام فائدوں	۶۶
مَحْرُومُونَ ۝	سے محروم ہو گئے۔	۶۷
أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝	اچھا تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ پانی جو تمہارے	۶۸
أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ	پینے میں آتا ہے، اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے	
نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ	ہو یا ہم برساتے ہیں؟ پھر کیا اس نعمت کے لیے	۶۹
أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ	ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا تم نے یہ بات	۷۰
النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ	بھی تم نے دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، تو اس کے	۷۱
شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ	لیے لکڑی تم نے پیدا کی یا ہم پیدا کر رہے ہیں۔[3]	۷۲
جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝	ہم نے اسے یادگار اور مسافروں کے لیے فائدہ بخش بنایا۔	۷۳

(قرآن نے) جس طرح باجا خلقت سے استدلال کیا ہے، یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے، اس لیے ضروری ہے کہ

---

۱ ترجمہ شیخ الہند۔ ۲ الہلال ۲۲ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۶، واضح رہے کہ مولانا کا ترجمہ نہیں آیات کا صرف مفہوم بیان کر دیا ہے البتہ آخری ٹکڑا "لا مقطوعۃ و لا ممنوعۃ" کا ترجمہ ہے۔ ۳ الہلال ۲۲ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۶ ۴ ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۵۔

سے مل نہیں سکتے، کیونکہ دونوں کے درمیان اس نے ایک حدِ فاصل قائم کردی ہے[1]

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ
اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ
اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا
۲۳ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ
۲۴ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ
عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۵ وَّ
۲۵ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝

اے مجمع جن وانس! اگر تمھاری طاقت میں ہے
کہ زمین اور آسمانوں کے مدبرات وملکوت کے اندر سے
اپنی راہ پیدا کرکے آگے نکل جاؤ تو ترقی کی اس انتہا کے
لیے بھی کوشش کر دیکھو، مگر بغیر سلطان الٰہی کے کچھ نہ کرسکوگے
اور یاد رکھو کہ وہ قوت تمھارے بس میں نہیں ؛ پھر تم اللہ کی
کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ؟ تم پر آگ کا دھواں اور اس کی
لپٹ چھا جائے گی اور تمھارے پاس کوئی انسانی قوت ایسی
نہیں کہ اس کے ذریعے سے ہلاکت کو دفع کرسکو۔[2]

سورۃ الواقعۃ

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ
۸ الْمَيْمَنَةِ ط وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۵
۹ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ
۱۰-۱۱ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝
۱۲ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ
۱۳ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ
۱۴ الْاٰخِرِيْنَ ۝

پس ایک گروہ تو دہنے ہاتھ والوں کا ہے۔ دہنے
ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔ اور ایک بائیں جانب والوں کا ہے اور
بائیں جانب والوں کا کیا ہی بُرا گروہ ہے۔ پھر ان دونوں کے
علاوہ تیسرے گروہ کے لوگ جو سب سے آگے ہیں اور وہ
آگے ہی رہنے کے مستحق بھی ہیں کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی کے مقرب
ہیں۔ اور ان کی جگہ جنت کی خوشیاں اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ ان
میں سے بہت سے اگلوں میں ہوں گے اور کچھ پچھلوں میں۔[3]

اصحاب الجنۃ اور "اصحاب النار" کی ایک اور تقسیم بھی ہے جو ان دو جماعتوں کے متعلق قرآن میں نظر آتی ہے۔ بعض خاص حالات وخصائص کی بنا پر انھیں اصحاب المیمنۃ اور اصحاب المشئمۃ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی دہنی جانب کی جماعت اور بائیں جانب کا گروہ۔ تیسری (جماعت) السابقون الاولون کی ہے۔ اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن کی نسبت سورۂ انبیا میں فرمایا: ان الذین سبقت لہم من الحسنیٰ اولٰئک عنہا مبعدون[4]
(مذکورہ بالا) دو جماعتوں کے اعمال وخصائص کی تشریح سورہ بلد ہے نیز انھیں آگے چل کر اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کہا گیا ہے)

---

[1] الہلال ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶ نیز البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵ [2] الہلال ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۰
[3] الہلال ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۵۔
[4] ۔ سورۂ انبیاء آیت ۱۰۱ ترجمہ یہ ہے کہ "جن لوگوں کے لیے ہم نے پہلے سے بھلائی کا حکم دے دیا: وہ یقیناً دوزخ سے دور کر دیے گئے۔"

سورۃ حدید

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم
بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ
وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا
نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا
وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا

اس دن تم مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان
کا نور ان کے ساتھ ساتھ اور ان کے آگے آگے چل رہا ہوگا
اور ان سے کہا جائے گا کہ آج کے دن تمھارے لیے فتح و مراد
کی بشارت ہے[1] ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی
(اور اس لیے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ مسعود ۱۲
و پُرراحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی ہی
کامیابی ہے جو انھیں حاصل ہوگی[2] پس اس دن منافق
مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گی کہ ذرا ہمارا انتظار
کرو، ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں: مگر ان
سے کہا جائے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آگے مت
بڑھو پیچھے ہٹو اور کوئی اور روشنی تلاش کرو۔[3] ۱۳

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ
فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي
كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ
إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرٌ ۝

جتنی مصیبتیں اقوام و امم پر نازل ہوتی ہیں اور خود
تم پر نازل ہوئیں، وہ سب ہم نے پہلے سے ایک کتاب
میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے وہ بہ صورت ایک قانون
منضبط کے موجود ہے) اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل
بات نہ تھی[4] ۲۲

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ
وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا
الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَ

ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل حقہ اور براہین
واضح کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان
کو اتارا تاکہ عدل و توازن قائم رہے اور ہم
نے لوہا اتارا کہ اس میں سلطان و نفوذ
کی بڑی خوفناکی ہے اور لوگوں کے لیے فوائد

---

[1] الہلال ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۲
[2] الہلال ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۲
[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۳۶۲۔
[4] الہلال ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۶

خالق بھی ہو، اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہے یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی رب ہو اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہے اس لیے ضروری ہے کہ رب کامل اور بے عیب ہو۔ زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں ہر چیز کو پرورش کی احتیاج ہے اور اسے پرورش مل رہی ہے۔ پس ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ پرورش کرنے والا یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

حالانکہ بغیر مشیت الٰہی کے یہ سرگوشیاں کچھ بھی نقصان
۱۰ نہیں پہنچا سکتیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر طرف سے
ہٹ کر صرف اللہ ہی پر اعتماد رکھیں[۱]

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

جو لوگ تم میں سے
ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حاصل
کیا ہو اللہ تعالیٰ ان کے مدارج
۱۱ کو ترقی دیتا اور ارتفاع بخشتا
ہے۔[۲]

جو قانون ارتقا لامارک، ابن مسکویہ اور ڈاروِن نے دریافت کیا ہے، وہ صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون ارتقاء بتلاتا ہے کہ مرتبہ انسانیت تک پہنچنے کے بعد ارتقاء جسمی تو ختم ہو جاتا ہے اور "ارتقاء روحانی" کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور جسم انسانی کو انسان کا ہیکل اختیار کر لینے کے بعد بھی انسان بننے کے لیے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا رہتا ہے۔[۳]

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

۱۶ انہوں نے بچاؤ کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[۴]
شیطان (اور اس کی قوتیں) ان پر مسلّط ہو گئی ہیں
پس انھوں نے خدا کے ذکر اور اس کے رشتے کو فراموش
کر دیا ہے۔ یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کی جماعت ہے
اور جان رکھو کہ آخر کار، حزب الشیطان کے لیے نقصان
۱۹ اور خسران ہی ہے۔[۵]

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

یہی وہ راستباز انسان ہیں، جن کے دلوں میں اللہ
نے اپنے ایمان کا نقش جما دیا اور اپنی روح نصرت و فتح مندی
سے ان کی مدد کی دلپس اب خوف و ہراس اور

---

[۱] الہلال ۱۲۔ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۶ [۲] الہلال ۱۹، ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۳
[۳] اسی تشریح کی روشنی میں مرزا غالب کا یہ شعر دیکھنا چاہیے۔
بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
[۴] الہلال ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۶
[۵] الہلال ۱۵۔ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۸ نیز دیکھیے الہلال ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۷۔

۲۵ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝
وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ
اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۥ وَجَعَلْنَا فِيْ
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ
رَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا
مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ
اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ
۲۶ رِعَايَتِهَا ۚ

بھی ہیں[1]
پھران کے نقش قدم پر ہم نے اپنے رسولوں کو اوران کے نقش قدم پر عیسٰی ابن مریم کو چلایا اور اسے انجیل عطا کی اور ان لوگوں کے دلوں میں جنھوں نے (مسیحؑ) کی پیروی کی ہم نے شفقت اور رحمت ڈال دی اور رہبانیت انھوں نے خود پیدا کر لی۔ ہم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی خوشنودی طلب کریں۔ اس کی رعایت جیسا چاہیے تھا انھوں نے ملحوظ نہ رکھی[2]

سورۃ مجادلہ

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ
اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ
سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ
۷ لَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ

جہاں کہیں تین اشخاص گرم راز و نیاز ہیں، وہاں ان کا چوتھا خدا ہے۔ پانچ ہوں تو ان کا چھٹا شریک خدا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ جس تعداد میں بھی ہوں، خدا ان کے ساتھ ہے[3]

اسلوب تعبیر کی دو حیثیتیں ہیں: حقیقت اور مجاز۔ محل حقیقت و مجاز میں مختلف مناسبتیں ہوا کرتی ہیں (اس آیت میں حقیقت) اس مجاز سے وابستہ تھی کہ تین ہم صحبتوں کا چوتھا شریک اور پانچ شرکائے مجلس کا چھٹا جلیس ان کے مکالمے سے آگاہ ہوتا ہے ان کی رازداریاں اس پر منکشف ہوتی ہیں اور وہ ان کے خفایائے امور سن اور سمجھ سکتا ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ

رازدارانہ سرگوشیاں شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوتی ہیں تاکہ مسلمان اس کی وجہ سے آزردہ خاطر ہوں۔

---

[1] "البلاغ" ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۵ - الہلال ۶- نومبر ۱۹۱۲ء میں ترجمہ یوں ہے: "ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب اور میزان دی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں۔ نیز لوہا پیدا کیا (جو ہتھیاروں کی شکل میں) سخت خطرناک بھی ہے اور نفع رساں بھی" (ص ۱۲)

[2] یہ ترجمہ ترجمان القرآن جلد اول ص ۵۰۰ نیز بعض دوسرے مقامات سے مرتب کیا گیا ہے۔

[3] الہلال ۲۰- اگست ۱۹۱۳ء ص ۷۔

اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

اور خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔[1] ٧

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ
لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ
قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ
اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ
الْعٰلَمِیْنَ ○

اس کی مثال شیطان کی سی ہے، اس نے انسان
سے کہا کہ کفر و ضلالت اختیار کر۔ جب انسان نے اس حکم
کی تعمیل کی تو پھر وہ الگ ہو گیا اور کہنے لگا، مجھے اس کام
سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تیرے کفر سے بالکل بری الذمہ
ہوں[2] (میں تو جہانوں کے پروردگار سے ڈرتا ہوں) ١٦

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ
نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ ؕ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ، جنھوں نے اللہ کو بھلا
دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے نفس ہی کی طرف سے غافل ہو گئے
یہی لوگ ہیں کہ دونوں جہانوں کے گھاٹے لوٹتے ہیں ہیں[3] ١٩

لَا
یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّۃِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ○

اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ اپنے اعمال و نتائج میں
یکساں نہیں ہو سکتے۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب
جنت ہیں۔[4] ٢٠

ھُوَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْمَلِکُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ
الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○

وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ الملک
ہے، القدوس ہے، المؤمن ہے، المہیمن ہے، العزیز
الجبار ہے، المتکبر ہے اور اس ساجھے سے پاک ہے، جو
لوگوں نے اس کی معبودیت کے بنا رکھے ہیں۔ ٢٣

ھُوَ
اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ ھُوَ
الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○

وہ الخالق ہے،
الباری ہے المصور ہے (غرض) اس کے لیے حسن و خوبی
کی سب صفتیں ہیں۔ آسمان و زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہے،
سب اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہے اور
بلاشبہ وہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ و توانائی بھی رکھنے والا ہے[5] ٢٤

(قرآن) خدا کی تمام صفتوں کو "اسماء حسنیٰ" قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں، جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو۔ ان میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو بہ ظاہر قہر و جلال کی صفتیں ہیں مثلاً جبار، قہار، لیکن قرآن کہتا ہے "وہ بھی اسماء حسنیٰ" ہیں کیونکہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور ہوا ہے اور قدرت و عدالت حسن و خوبی ہے (یہی وجہ ہے کہ ان آیتوں میں صفات

---

[1] "البلاغ" ١١ فروری ١٩١٦ء ص ١

[2] "البلاغ" ٢٨ جنوری ١٩١٦ء ص ٣

[3] ا ٢ ، کا حوالہ نظر انداز ہو گیا۔

[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ١١٥

[5] ترجمان القرآن جلد اول ص ١٦٢

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ
اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ۲۲

ناکامی و نامرادی ان کے لیے نہ رہی) وہ ان کو بہشتوں کی بہشتی
زندگی میں داخل کرے گا وہاں باغ و چمن کا دائمی عیش ہے
اور نہروں کی روانی کا نظارۂ راحت اللہ ان سے راضی
ہوا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کی جماعت
ہے اور یقین کرو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے[1]

سورۃ الحشر

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا
ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا
اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ
لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ
بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی
الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی
الْاَبْصَارِ ○ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ ۲
عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا
وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ ۳
بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ
یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ ۴

وہی خدا ہے جس نے اہل کتاب کی اس جماعت
کو کہ انتقام الٰہی کی منکر ہو چکی تھی، اس کے گھروں سے
مسلمانوں کے پہلے ہی اجتماع میں نکال باہر کیا۔ مسلمان
سمجھے تھے کہ نہ نکال سکیں گے خود ان کو بھی گمان تھا کہ
ان کے قلعے خدا سے انھیں بچالیں گے آخر اس طرح غضب
الٰہی نازل ہوا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ان کے
دلوں پر ہیبت چھا گئی۔ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں ہی
ویران کرنے لگے۔ مسلمانوں نے بھی اس ویرانی میں انھیں
مدد دی۔ جن لوگوں کی آنکھیں ہوں، انھیں اس قلعے سے
عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ خدا نے اگر ان کی قسمت میں
اخراج نہ لکھ دیا ہوتا تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور
آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔ سبب
یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سے انھوں
نے منہ موڑ لیا اور جو ایسا کرتا ہو اسے یقین کر لینا
چاہیے کہ خدا کا عذاب نہایت سخت ہے[2]

وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ
وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا

اور پیغمبر خدا جس چیز کا تمھیں حکم دیں اسے قبول
کرو اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ خدا سے ڈرو

---

[1] البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۹ نیز دیکھیے: الہلال ۳۔ دسمبر ۱۹۱۳ء، ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء
[2] الہلال ۲۳۔ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اللہ تو تمھیں صرف ان لوگوں سے میل ملاپ رکھنے کو روکتا
ہے جنھوں نے تم سے مقابلہ کیا اور تم کو گھروں سے نکالا
یا تمھارے دشمنوں کی مدد کی۔ بیشک جو شخص ایسے لوگوں
سے دوستی رکھے گا ، اس کا شمار مسلمانوں پر ظلم کرنے
والوں میں ہوگا۔[1] ۹

سورۃ الصّف

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○

خدا کو یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ جو
تمھارا قول ہو، وہ فعل نہ ہو۔[2] ۳

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ
بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○

خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، جو اس
کی راہ میں اس استقلال سے صف بستہ لڑتے ہیں گویا
ایک دیوار ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا ہے۔[3] ۴

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا
بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي
اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط

(اور جب عیسٰی بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل
میں اللہ کی طرف سے تمھاری طرف بھیجا ہوا آیا ہوں
میں کوئی نئی شریعت نہیں لایا، بلکہ میرا کام صرف یہ ہے
کہ کتاب توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے، تصدیق
کرتا ہوں اور ایک آنے والے رسول کی خوشخبری دیتا
ہوں، جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔[4] ۶

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ

پیروان باطل چاہتے ہیں کہ حق و صداقت کا جو
نور الٰہی روشن کیا گیا ہے اسے اپنی مخالفت کی پھونک سے

---

[1] الہلال ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔ الہلال ۹، ۱۶ اپریل ۱۹۱۳ء میں یوں ہے : اللہ تعالیٰ تم کو نہیں روکتا کہ تم ان غیر قوموں سے جنھوں نے تم سے دین کے مخالف جنگ نہیں کی اور تمھیں تمھارے وطنوں سے نہیں نکالا دوستی و نیکی اور انصاف و عدل سے پیش آؤ بلکہ اللہ تو عدل و انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ص ۲)

[2] حوالہ اب مل نہیں سکا

[3] الہلال ۳ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۹ نیز ملاحظہ ہو الہلال ۲ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۷ "مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب" ص ۹۷ میں اور بھی تفصیل فرما دی۔ یعنی : اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے، جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے اور دیوار بھی کیسی؟ ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو۔

[4] الہلال ۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۹ نیز الہلال ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۶

رحمت وجمال کے ساتھ قہر وجلال بھی ذکر کیا ہے، پھر متصلاً ان سب کو اسماءِ حسنیٰ قرار دیا ہے۔

سورۃ الممتحنۃ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا
جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ
۱ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ
قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي
۴ إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا
وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ
۵ الْحَكِيمُ ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ
۶ الْحَمِيدُ ○ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم
مَّوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ
۷ رَّحِيمٌ ○ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ
الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ
أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ
۸ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○

مسلمانو! اللہ کے اور مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ کہ ان کے ساتھ محبت و اعانت سے پیش آنے لگو، حالانکہ اللہ نے جو سچائی تمہاری طرف بھیجی ہے، وہ اس سے انکار کر چکے ہیں اور اس کے دشمن ہیں[1]

بیشک تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے اعمال زندگی میں ہے[2] پروردگار! ہمیں اس ظالم گروہ کے لیے آزمائشوں کا موجب نہ بنائیو[3] پروردگار ہمیں بخش دے[4] - بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے[5] بے شک تمہارے لیے کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو، ان لوگوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے اور جو شخص اس کی طرف سے منہ موڑے تو اللہ تو انسانوں کے اعمال کا کچھ محتاج نہیں[6] اللہ کے فضل سے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں، دوستی پیدا کر دے اور اللہ قدرت والا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے جن لوگوں نے تم سے دین کے لیے جنگ نہیں کی اور تم کو گھروں سے نہیں نکالا، اللہ اس سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ، کیونکہ اللہ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا

---

[1] الہلال ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء ص ۳
[2] الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء پھر ۱۲ نومبر ۱۹۱۳ء کے الہلال میں ترجمہ یوں ہوا: بیشک تمہارے واسطے اتباع و پیروی کے لیے ایک بہترین نمونہ اور نصب العین ہے ابراہیم کی زندگی میں۔
[3] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۶۷
[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۷
[5] ایضاً ص ۲۵۴
[6] الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ
زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ
اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ
الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمھیں اس بات
کا دعوےٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم اللہ کے
دل اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ
6 میں موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو گے
اور یہ اللہ اور اس کی صداقت کا جھوٹا دم بھرنے والے
7 کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔ کیونکہ انھوں نے ایسے
کام کیے ہیں، جو انھیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور
وہ زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں۔ ان سے کہہ دو
8 اے نفس پرستو! جس موت سے تم اس قدر بھاگتے ہو، وہ
کچھ تمھیں چھوڑ نہ دے گی۔ ایک دن ضرور آئے گی پھر تم اس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے، جو پوشیدہ اور ظاہر سب
کچھ جانتا ہے۔[1]

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انھیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں۔ اس طرح دوڑتے ہیں گویا بھوکوں کو غذا اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں اور اللہ کی ولایت سے محروم انکار کر دیتے ہیں اور یہ ان کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے جو انھوں نے خود اپنے اوپر لگالی۔ موت کی تمنا سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لیے التجا کرے۔ مقصود یہ تھا کہ خدا کے لیے اور اس کے کلمۂ حق کے لیے ایسے ایسے کاموں میں پڑو، جن میں جان دینے، اپنا خون بہانے اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کو عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔

سورۃ المنٰفقون

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ
1 ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[2]

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
2 انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے[3]

قسم کے معنی شہادت اور دلالت کے ہیں۔ مفسرین متاخرین نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔ وہ اس دھوکے میں پڑ گئے کہ قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جس میں بڑائی اور عظمت ہو۔ اس لیے تمام قسموں میں عظمتوں ہی کو تلاش کرتے رہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ
اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ
لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ

اگر تم ان کے ظاہری ڈیل ڈول دیکھو تو نہایت
نظر فریب اور موثر نظر آئیں اور جب بات کریں تو اس
طمطراق سے کہ تم بڑی دلچسپی سے سنو۔ تمہارے سامنے

---

[1] الہلال ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۵
[2] ایضاً ایضاً۔
[3] البلاغ ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء ص ۸

۸ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
۹ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ
۱۰ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ
وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
۱۱ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ
يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ
مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ
۱۲ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○
وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ
اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ
۱۳ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

کر بجھا دیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے اس نور صداقت کی روشنی کو درجۂ کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ اگرچہ باطل پرستوں کو برا لگے[۱] (وہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناپسند ہو) اے وہ لوگو! کہ دعوائے ایمان رکھتے ہو (اور کاروبار دنیوی میں مشغول ہو) میں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جو تمھیں آنے والے سخت و شدید مصائب عذاب سے بچالے؟ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کامل پیدا کرو اور خدا کی راہ میں اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہی طریق تمھارے لیے بہتر ہے، بشرطیکہ تم (وقت کی مصیبت کو) سمجھو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تمھارے قصوروں سے درگزر کر دے گا۔ تم کو کامیابی و بامرادی کے ایسے باغہائے نشاط میں پہنچا دے گا جہاں (اشک حسرت و نامرادی کی جگہ عیش مرا کی) نہریں بہ رہی ہوں گی۔ نیز ایسے مکانات طیبہ میں جو دائمی مسرت کے باغوں میں ہیں، تمھیں بسائے رکھے گا غور کرو تو یہی کامیابی سب سے بڑی کامیابی اس کے علاوہ ایک دوسری نعمت محبوب بھی تمھیں ملے گی یعنی اللہ کی طرف سے غیبی نصرت کا نزول ہوگا اور تم عنقریب فتح مند ہو جاؤ گے (اے پیغمبر! یہ بشارت ہے مسلمانوں کو پہنچا دو)[۱]

سورۃ جُمُعَۃ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
۲ وَالْحِكْمَةَ ۤ

وہ پیغمبر ان پر خدا کی آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے[۲]

---

[۱] "الہلال" ۱۸ فروری ۱۹۱۳ء ص ۳

[۲] "البلاغ" ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۰

أَمْرِهَا خُسْرًا ۝

٩ آگے آیا اور وہ گو طاقت اور عظمت میں بہت بڑھ چکے
تھے، لیکن انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہوا[1]

سورۃ التحریم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ
أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ
أَزْوَاجِكَ وَٱللَّهُ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ
تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ
وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ۝ وَإِذْ
أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا
فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ ٱللَّهُ
عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن
بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ
أَنۢبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ ٱلْعَلِيمُ
ٱلْخَبِيرُ ۝ إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ
فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَٰهَرَا
عَلَيْهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ
وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ
بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ۝

اے پیغمبر! تم اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے اس
چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو، جو اللہ نے تمہارے
لیے حلال کر دی ہے؟ اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے
بیشک اللہ نے تمہارے لیے فرض کر دیا ہے کہ اپنی قسموں
کو کھول دو وہ تمہارا دوست ہے اور سب باتوں کو جاننے
٢ والا اور ان کی حکمتوں پر نظر رکھنے والا اور جب کہ پیغمبر
نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی ایک بات کہی اور اس
نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر دے دی۔
یہ سن کر اس بیوی نے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟
فرمایا اس خدا نے جس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔
اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر
٣ ہے، کیونکہ تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ
کے مقابلے میں ایکا کرو گے تو جان لو کہ خدا ان کا مددگار
ہے اور جبریل اور نیک مسلمان بھی انھیں کے ساتھ
ہیں اور سب کے بعد ملائکہ الٰہی بھی انھیں کے
مددگار ہیں۔
٤

(اس سورہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور کائنات کو کئی واقعات پیش آئے تھے۔

١۔ ازواج مطہرات اور علی الخصوص دو بیویوں کا طلب نفقہ کے لیے مظاہرہ کرنا۔

٢۔ افشاء راز

٣۔ کسی حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا۔

یہ تین الگ الگ واقعات ہیں اور آنحضرت صلعم کا ایلاء کرنا اور بیویوں سے کنارہ کش ہونا صرف پہلے واقعہ (نفقہ) کا نتیجہ تھا۔ آنحضرت صلعم عصر کے بعد ازواج مطہرات کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کئی دن حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ بیٹھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت زینب شہد پیش کرتی تھیں۔ بعض ازواج نے بہ تقاضائے رشک

---

[1] الہلال ۲۶، ۱۹ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱ نیز دیکھیے الہلال ۴ فروری ۱۹۱۴ء

۴ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ ؕ — اس طرح جم کر اور ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں، گویا لکڑیوں کے کندے ہیں جو کسی سہارے کھڑے کر دیے گئے ہیں۔ پھر یہ بھی ان کی خاص علامت ہے کہ جب بات کیجیے تو زور کی ہر آواز کو سمجھتے ہیں کہ انھیں للکارا[1]

آج کل کے منافقین مسلمین پر بھی ان تمام علامتوں کو ایک ایک کر کے منطبق کر لیجیے۔ ان کی وضع قطع کیسی شاندار اور قیمتی ہے کہ خواہ مخواہ نظروں میں کھب جاتی ہے، باتیں سنیے علی الخصوص اس وقت کی حسب مسائل قومیہ و اصلاحیہ میں رطب اللسان ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ دلوں کی باگیں انھیں کے ہاتھ میں ہیں۔

پھر جب کانفرنس کی سٹیجوں پر سرگرم سامعہ نوازی ہوتے ہیں اور پرزور جملے ادا کرنے کے بعد تن کے کھڑے ہو جاتے ہیں تو واقعی معلوم ہوتا ہے کانہم خشب مسندہ۔ آخری علامت یہ بتلائی کہ کوئی بات بھی زور سے کہیے سمجھیں گے کہ ہماری ہی طرف اشارہ ہے۔

سورۃ التغابن

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝ — اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا اور تمھاری صورتیں بنائیں تو نہایت حسن و خوبی سے بنائیں[2]۔ اور سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔[3] ۳

(تخلیق بالحق" کا مطلب ہے) فطرت کائنات میں تحسین و آرائش کا قانون کام کر رہا ہے۔ جو چاہتا ہے، جو کچھ ہو ایسا ہو، کہ اس میں حسن و جمال اور خوبی و کمال ہو۔

۹ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ — یہی ہار جیت کا دن ہے[4]

سورۃ الطّلاق

۳ وَّ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ — اور جس نے اللہ پر بھروسا کیا، سو اللہ کی اعانت و نصرت اس کے لیے بس کرتی ہے[5]

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہَا وَ رُسُلِہٖ فَحَاسَبۡنٰہَا حِسَابًا شَدِیۡدًا ۙ وَّ عَذَّبۡنٰہَا عَذَابًا نُّکۡرًا ۝ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِہَا وَ کَانَ عَاقِبَۃُ ۸ — اور کتنی ہی آبادیاں تھیں، جن کے رہنے والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کی صداقتوں سے سرتابی کی اور عصیان و طغیان پر اتر آئے تب ہم نے بڑی سختی کے ساتھ ان کے کاموں کا حساب لیا اور (انھیں) بڑے ہی سخت عذاب میں گرفتار کیا۔ بالآخر ان کے اعمال کا وبال ان کے

---

[1] الہلال ۲۷ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۳

[2] ایضاً ص ۴/۴

[3] ترجمان القرآن جلد اول ص ۹۴۔

[4] الہلال ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴

[5] الہلال ۲۰ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۷۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ
صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ
إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ○
قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ
لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ
قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ○

کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پر کھولے اور
سمیٹے ہوتے اڑتے نہیں دیکھا؟ انھیں الرحمٰن کے سوا کون
تھامے ہوئے ہے؟ اللہ کی نظروں سے کوئی چیز مخفی نہیں[1] ١٩
کہ دو کہ اسی کی ذات خالقِ کائنات ہے جس نے
تم کو پیدا کیا اور تمھارے اندر حواس ظاہری اور ان کی
قوتیں ودیعت کیں[2] ٢٣

سورة القلم

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ○
مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ○
وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ○ وَ
إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ فَسَتُبْصِرُ
وَيُبْصِرُونَ ○ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ○
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ○ وَدُّوا لَوْ
تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○ وَلَا تُطِعْ
كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ○ هَمَّازٍ
مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ
زَنِيمٍ ○ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَ
بَنِينَ ○ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا
قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ سَنَسِمُهُ
عَلَى الْخُرْطُومِ ○ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ
كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ

(قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ تو نہیں اپنے ١
رب کے فضل سے دیوانہ اور تیرے واسطے بدلہ ٢
ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے ٣
خلق پر) عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور ٤
یہ کفار بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم دونوں فریقوں ٥-٦
میں سے کون سا فریق مخبوط ہے۔ بیشک تمھارا پروردگار
ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکے ٧
ہوئے ہیں اور وہی ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے، جو ٨
راہِ راست پر ہیں۔ تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا، نہ ان ٩
کے کہے میں آجانا۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم مدافعت کرو اور ڈھیل ١٠
دو تو وہ بھی ملائم پڑ جائیں۔ خبردار! تم کسی ایسے کی اطاعت نہ کرنا ١١
اور نہ اس کی بات ماننا جو بہت ساری قسمیں کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ١٢
ہے۔ لوگوں پر آوازے کستا ہے۔ چغلیاں لگاتا پھرتا ہے۔ اچھے ١٣
کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے بدکار ہے۔ ١٤
اکھڑ ہے ان عیوب کے علاوہ بد اصل بھی ہے۔ اس بنا پر کہ وہ ١٥
مال اولاد والا بھی ہے۔ جب ہماری آیتیں اسے پڑھ کر سنائی جاتی ١٦
ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اچھا دیکھو تو ہم عنقریب

---

[1] اس کا بھی، محفوظ نہیں رہا

[2] البلاغ ٢٦ نومبر ١٩١٥ء ص ١٦

بشریٰ یہ تدبیر اختیار کی کہ جب آنحضرت صلعم زینبؓ کے ہاں سے اٹھ کر آئیں تو کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر کے پھول سے شہد کی مکھیاں شہد چوستی ہیں۔ اس کی بو اچھی نہیں ہوتی یہ سن کر آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے۔ توسیع نفقہ ہی کے سلسلے میں سورۂ احزاب کی آیت تخییر نازل ہوئی یعنی ازواج کو اختیار ہے کہ چاہیں تو دنیا لے لیں اور چاہیں تو آنحضرت صلعم کی معیت میں رہیں اور آخرت لیں معاملہ یہاں تک پہنچا تو سب نے بالاتفاق آخرت کو ترجیح دی۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ
الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ
رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ
٨ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

اور وہ (نتائج وعواقب امور کا) دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا ان کے ایمان کی روشنی ان کے آگے آگے اور دہنی طرف ساتھ ساتھ چل رہی ہوگی اور ان کی زبان پر یہ دعائیں ہوں گی کہ خدایا اس روشنی کو ہمارے لیے آخر تک رکھیو اور ختم نہ کر دیجیو۔ نیز ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجیو۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

سورۂ ملک

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن
تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ
٣ مِن فُطُورٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ
كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا
٤ وَهُوَ حَسِيرٌ ○ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ
الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

تم الرحمٰن کی بناوٹ میں (رحمٰن کی بناوٹ میں کیونکہ یہ اس کی رحمت ہی کا ظہور ہے) کبھی کوئی اونچ نیچ نہ پاؤ گے (اچھا نظر اٹھاؤ اور اس نمائش گاہ صحت کا مطالعہ کرو) ایک بار نہیں بار بار دیکھو۔ کیا تمھیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ تم یکے بعد دیگرے دیکھتے۔ تمھاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آجائے گی، لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی۔[2]

اور (دیکھو) ہم نے دنیا کے آسمان (کرہ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا۔[3]

فرمایا: یہ خوبی اور اتقاق (کائنات ہستی کا درستی و استواری کے ساتھ ہونا) اس لیے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاری گری ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو، اتقان و کمال ہو، نقص و ناہمواری نہ ہو۔

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن
يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ
١٦ تَمُورُ ○ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ
أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ
فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ○

خدا جو آسمان میں ہے، کیا تم اس کے جلال سے ڈر گئے کہ زمین میں تم کو دھنسا دے اور وہ پڑی جھکولے مارا کرے؟ یا جو آسمان میں ہے تمھیں اس کے غضب کا خوف نہیں رہا کہ تم پر پتھراؤ کرے؟ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا ڈرانا کیسا تھا۔[4]

[1] الہلال ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶، ۸ نیز ۱۵ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۲ [2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۷

[3] ایضاً ص ۸۶ [4] الہلال ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء ص ۵

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ
لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ
لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝
أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ
إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا
تَحْكُمُونَ ۝ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ
بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ
شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ
إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ۝ يَوْمَ
يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ
يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا
يَسْتَطِيعُونَ ۝ خٰشِعَةً
أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ
وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى
السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُونَ ۝
فَذَرْنِي وَمَنْ يُّكَذِّبُ
بِهٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝
وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي
مَتِينٌ ۝ أَمْ تَسْئَلُهُمْ
أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ
مُّثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ م

اب ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظالموں ٣٦
پر ایسے ہی عذاب اترتا ہے اور انجام کار عذاب نازل ٣٧
ہونے والا ہے۔ اگر اس کی حقیقت جان لیں تو معلوم ہوگا ٣٨
کہ وہ اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا عذاب ہے۔ جن لوگوں
میں تقویٰ (اسلامی کیرکٹر) ہے ان لوگوں کے لیے بے شک ان
کے پروردگار کے پاس نعمت اور برکت والے باغ ہیں۔ ٣٩
کیا ہم مسلمانوں کو گناہ گاروں کے برابر کردیں گے؟ تم ٤٠
لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگایا کرتے ہو؟ کیا تمھارے
پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ جو تم پسند کروگے ٤١
وہی تمھیں ملے گا؟ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں، جو
روز قیامت تک چلی جائیں گی کہ تم جس چیز کی فرمائش کروگے
وہی تمھارے لیے موجود کر دی جائے گی؟ ان لوگوں سے ٤٢
پوچھو کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟ کیا ان لوگوں
کے اور شرکاء ہیں۔ اگر ہیں اور یہ اپنے دعوے میں سچے
ہیں تو لائیں اور حاضر کریں۔ وہ دن آنے والا ہے جب ٤٣
کہ ساق کھلے گی اور ان لوگوں کو سرافگندگی کی دعوت
دی جائے گی مگر اس وقت ان میں اتنی قدرت و استطاعت
کہاں؟ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، صورتوں پر ذلت چھا ٤٤
رہی ہوگی۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جب انھیں سر جھکانے کو
کہا جاتا تو اس وقت یہ اچھے خاصے اور صحیح سالم تھے۔ ٤٥
ہم کو اور ان لوگوں کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں، اپنے
اپنے حال پر رہنے دو۔ ہم اس طرح پر کہ انھیں خبر بھی نہ ٤٦
ہو آہستہ آہستہ گھسیٹتے۔ اور ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں۔ ٤٧
بیشک ہماری تدبیر نہایت پختہ اور محکم ہے۔ (یہ بات کیا
ہے یہ اس قدر سرگرداں کیوں ہیں؟) کیا تم ان سے کسی

۱۷ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ
۱۸ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ○ فَطَافَ عَلَيْهَا
۱۹ طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ○
۲۰ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ○ فَتَنَادَوْا
۲۱ مُصْبِحِيْنَ ○ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى
۲۲ حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ○
۲۳ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ○
اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ
۲۴ مِّسْكِيْنٌ ○ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ
۲۵ قٰدِرِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا
۲۶ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ○ بَلْ نَحْنُ
۲۷ مَحْرُوْمُوْنَ ○ قَالَ اَوْسَطُهُمْ
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا
۲۸ تُسَبِّحُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ
۲۹ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَاَقْبَلَ
۳۰ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ○
۳۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ○
عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا
۳۲ مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ○
كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ
۳۳ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○
اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ
۳۴ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ اَفَنَجْعَلُ
۳۵ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ○

اس کے ناک پر داغ لگائیں گے۔ جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا، اسی طرح ہم نے ان کافروں کی بھی آزمائش کی ہے۔ ان باغ والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کے میوے توڑ دیں گے اور اس سے کوئی بھی استثناء نہ ہونے پائے گا۔ وہ سوتے ہی سوتے رہے اور تمہارے پروردگار کی طرف سے باغ پر ایک ایسی بلا چھا گئی کہ صبح ہوتے ہی وہ بالکل خالی رہ گیا جیسے کوئی سارے میوے لوٹ لے گیا۔ سویرے جب لوگ اٹھے اور ایک دوسرے کو آواز دی کہ تم کو میوے توڑنے ہیں تو اٹھو، تڑکے سے باغ میں جا پہنچو لوگ اٹھے اور چل کھڑے ہوئے۔ آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ دیکھنا آج کوئی غریب آدمی باغ کے اندر نہ آنے پائے۔ سمجھتے تھے کہ بس اب جاتے ہی سارے میوے توڑ لیں گے، سازوسامان سے چلے اور سویرے پہنچ گئے۔ باغ کو جب دیکھا کہ اجڑا پڑا ہے تو کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں راستہ تو یہی ہے۔ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا کہنے لگا کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ اپنے اس آخری معبود کی تسبیح و تقدیس کیوں نہیں کرتے (جو تمام مشکلوں کو حل کرنے والا ہے؟)[1] بولے پاک ہے ہمارا پروردگار۔ یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔ پس لگے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے۔ اور آخر کار سب بول اٹھے کہ ہائے ہماری کم بختی! بیشک ہم بڑی نافرمانیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے (ہمیں حد سے بڑھ گئے تھے)[2] شاید ہمارا پروردگار اس کے بدلے اس سے اچھا باغ ہمیں عنایت کرے

[1] الہلال ۲۰۔ اگست ۱۹۱۳ء ص ۵۔

[2] الہلال ۵ مارچ ۱۹۱۳ء

حمد وثنا کرو جس نے دشمنانِ اسلام کو شادی کی جگہ حسرت و نامرادی میں مبتلا کر دیا[1]

سورة المعارج

فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ
الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ۝ عَلٰۤى
اَنۡ نُّبَدِّلَ خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَمَا
نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ۝ فَذَرۡهُمۡ
يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا
يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۝

پروردگارِ عالم شاہد ہے کہ ہم اس بات کی قدرت
۴۰ رکھتے ہیں کہ جیسے لوگ اب ہیں، ہم انھیں بدل کر کے
ان سے اچھی قوم لائیں اور اس کام میں کسی نے بھی ہم پر
۴۱ سبقت حاصل نہ کی ہوگی۔ انھیں چھوڑ دو کہ غور و خوض اور لہو
و لعب میں پڑے رہیں، یہاں تک کہ عذاب کا دن آئے
۴۲ اور اس روز غفلت کا نتیجہ ظاہر ہو جائے[2]

سورة نوح

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ
لَيۡلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ
دُعَآءِىۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّىۡ كُلَّمَا
دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا
اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا
ثِيَابَهُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ۝ ثُمَّ
اِنِّىۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىۡۤ
اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا ۝
جَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا وَّ
جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ۝
قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِىۡ
وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ يَزِدۡهُ مَالُهٗ وَ
وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۝

نوح نے عرض کیا! خداوندا! میں نے شب و
۵ روز دعوتِ حق دی، لیکن اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ لوگ مجھ
۶ سے دور بھاگنے لگے میں نے جب ان کو تیری مغفرت کے
لیے پکارا انھوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ اپنے
کپڑوں میں لپٹ گئے کہ ان تک تیری آواز نہ پہنچ سکے۔ آہ!
۷ یہ حق ناشناس قوم ہمیشہ سخت ہٹ دھرمی اور باطل پرستانہ
۸ گھمنڈ کا اظہار کرتی رہی[3] اس پر بھی میں باز نہ آیا۔ پھر انھیں
۹ پکار کر تیرا پیغام پہنچایا اور اس کے بعد ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھایا[4]
اور (آسمانوں میں) خدا نے چاند کو بھی بنایا، جو
۱۶ ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ ایک روشن مشعل ہے[5]
نوح نے عرض کیا۔ خدایا! با ایں ہمہ سعی دعوت و
اصلاح ان سرکشوں نے میرا کہنا نہ مانا اور انھیں معبودانِ
۲۱ باطل کی غلامی کرتے رہے جنھیں ان کے مال اور ان کی اولاد
نے فائدے کی جگہ الٹا نقصان ہی پہنچایا[6]

---

[1] الہلال ۱۲ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۷
[2] الہلال ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء ص ۱۲
[3] البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۱ نیز الہلال ۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۷
[4] ایضاً ایضاً۔
[5] الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۳ء
[6] الہلال ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ص ۹

۴۸ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝
لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ
۴۹ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ
رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ
۵۰ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّكَادُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ
بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا
الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ
۵۱ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ
مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
۵۲ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

بات کی اجرت مانگتے ہو کہ اس کے تاوان سے یہ دبے جا رہے ہیں؟ یا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں اور یہ انھیں لکھ لیا کرتے ہیں؟ بہر حال تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ثابت قدم بنے بیٹھے ہو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے مغموم ہو کر خدا کو آواز دی تھی۔ اگر پروردگار عالم کا فضل و کرم اس کی دست گیری نہ کیے ہوتا تو بڑے برے حالوں فضا سے زمین پر پھینکا ہوا پڑا رہتا۔ لیکن پروردگار کو بندہ نوازی منظور تھی۔ اس نے نوازش کی پھر اپنے صالح بندوں میں (جو نیک و بہتر زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں) اسے شامل کر لیا [1] اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں محمد کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے۔
اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہان والوں کو۔

سورۃ الحاقۃ

۱-۲ اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝

ایک شدنی اور ہونے والی بات تھی اور تم جانتے ہو کہ وہ کون سی شدنی بات تھی؟ [2]

۱۴ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ
الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝
۱۵ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَ
۱۶ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝

زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ساتھ پٹک دیے گئے اور وہ دفعۃً چور چور ہو گئے۔ پس آج ہی قیامت کا سب سے بڑا دن آ گیا۔ آسمان پھٹ پڑے اور ان کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں [3]

۵۰ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
۵۱ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ
۵۲ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جو کچھ کہ ہوا کافروں کے لیے موجب ماتم و حسرت ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ ایک یقینی صداقت الٰہی کا ظہور ہے۔ پس اپنے پروردگار کی

---

[1] الہلال۔ ۳۰۔ اگست ۱۹۱۳ھ ص ۶ نیز الہلال ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۳ھ ص ۱۔ ابتدائی چار آیتوں اور آخری دو آیتوں کا ترجمہ شیخ الہند مرحوم کا ہے تاکہ سورۃ کا ترجمہ مکمل ہو جائے۔ [2] الہلال ۲۹۔ ستمبر ۱۹۱۲ھ ص ۸ [3] الہلال ۹ ستمبر ۱۹۱۲ھ ص ۱۳۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ
شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ
الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا
وَبِيلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ
إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ
الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝

السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ
كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ
هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ
اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝
إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ
أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَ
نِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ
مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ
يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ
أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ
عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ
مَرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ
فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

ہم نے تمھاری جانب ایک رسول بھیجا، تمھارے
آگے حق کی شہادت دینے والا، جس طرح فرعون کی جانب
۱۵ اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا[1] فرعون نے ہمارے رسول
کی نافرمانی کی۔ سو ہمارے غضب نے اسے بڑا ہی سخت
۱۶ پکڑا اور اس کا سارا گھمنڈ اور غرور باطل بیکار ہو گیا۔ پھر
اے منکرین اسلام! اگر تم بھی اسی طرح نافرمانی کرو گے تو
۱۷ اس دن کی مصیبت سے کیسے بچ سکو گے جس کی سختی بچوں
کو مارے غم کے بوڑھا کر دے گی[2]
اس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر
۱۸ رہے گا۔ یہ قرآن تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس
پر عمل پیرا ہو کر پروردگار کی طرف راستہ پیدا کرلے)
۱۹ اے پیغمبر! تمھارا پروردگار واقف ہے کہ تم راتوں کو اللہ
کی یاد اور ذکر کے لیے جاگتے ہو، کبھی تہائی رات کے
قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی اور ایک
جماعت تمھارے ساتھیوں کی اس شب بیدارانہ عبادت
میں تمھارے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ رات اور دن کے
تمام اشغال و اعمال کا اللہ ہی اندازہ کر سکتا ہے۔ اسے
معلوم ہے کہ تم (بوجہ انہماک عبادت اور کمال محویت و
خود فراموشی) وقت کو محفوظ نہیں کر سکتے اس لیے اس
نے تمھارے حال پر ارادہ لطف و رحم کیا اور وقت
کی قید اٹھا دی۔ پس اب جس قدر بہ آسانی قرآن پڑھ
سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے
بعض آدمی بیمار پڑیں گے۔ بعض تلاش معاش و تجارت
کے سلسلے میں سیر و سیاحت کر رہے ہوں گے۔ بعض خدا

[1] البلاغ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۶ء ص ۱۳

[2] ایضاً ایضاً

سورة الجنّ

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ
يَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ
19 عَلَيۡهِ لِبَدًا ۝

مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان میں اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور جب خدا کا بندۂ مخلص (حضرت داعی اسلام) اللہ کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس طرح نزدیک آکر دیکھتے ہیں گویا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں گے[1]

سورة المزمّل

وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ
8 اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا ۝ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ
وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ
9 وَكِيۡلًا ۝ وَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ
10 وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِيۡلًا ۝ وَذَرۡنِىۡ وَ
الۡمُكَذِّبِيۡنَ اُولِى النَّعۡمَةِ وَمَهِّلۡهُمۡ
11 قَلِيۡلًا ۝ اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا ۝ وَّ
12 جَحِيۡمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا
13 اَلِيۡمًا ۝

اپنے پروردگار کا ذکر کرو اور سب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف اسی کے ہو جاؤ۔ وہ پروردگار کہ تمام عالم میں اسی کی ربوبیت کارفرما ہے اور اس کے سوا کارساز عالم اور کوئی نہیں۔ سو جب ایسا کارساز تمھارے ساتھ ہے تو تم اور کسی طرف کیوں نظر اٹھاؤ؟ بس اسی کو اپنا کارساز یقین کرو۔ رہا منکرین حق کا ظلم، ان کا کبر باطل اور باطل پرست کامیابیوں کے دعوے اور اتہامات سو چاہیے کہ ان پر صبر کرو۔ سر دست بغیر کسی سختی کے ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں ان کے حال پر زیادہ نہیں تو تھوڑے دنوں کے لیے چھوڑ دو۔ پھر دیکھو کہ حق کے یہ جھٹلانے والے، جو طرح طرح کی خوشحالیوں اور دنیوی عزتوں میں اپنے تئیں پاکر بڑے ہی متکبر اور مغرور ہو گئے ہیں، بالآخر کیسا نتیجہ پاتے ہیں۔ ہمارے پاس اگر ان کے لیے مہلت تھی تو اب ان کے جکڑنے کے لیے بیڑیاں اور ان کی عقوبت کے لیے آگ بھی ہے[2]

سورۂ مزمل کا موضوع تنزیل یہ تھا کہ تبلیغ حق کی مشکلات و مقامات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہی بخشی جائے اور بتلایا جائے کہ حق کا ظہور ہمیشہ ابتدا میں مظلومی و بے سروسامانی کے ساتھ ہوتا ہے پر آخر میں فتح مندی چمکتی ہے چنانچہ آیت زیر بحث سے راہِ حق کی مشکلات و تکالیف پر اور اس انکار و سرکشی پر جو باطل پرستوں میں نظر آتی تھی آپ کو تسکین و تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر اپنے اندر مایوسی نہ لاؤ یہ حق کی ابتدا ہے۔ مگر تھوڑے سے صبر و انتظار کے بعد اس کی انتہا بھی آنے والی ہے۔

---

[1] الہلال ۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص ۹ البلاغ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء ص الف پر ترجمہ یوں کیا ہے، اور جب اللہ کا بندہ تبلیغ حق کے لیے کھڑا ہوتا ہے تاکہ اللہ کو پکارے، تو کفار اس طرح گھیر لیتے ہیں گویا قریب ہے اس پر آگریں گے [2] البلاغ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۵ء ص ۱۴۔

ہی خیال پر منجمد نہیں پتھر کی طرح ہے[۱]

سورۃ القیٰمۃ

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ — اس پاک روح کی قسم جو گناہ کرنے کے بعد انسان
اللَّوَّامَةِ ○ — کو بہت ملامت کرتی ہے۔[۲] ۲
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ — بلکہ انسان کا وجود خود اس کی (کج اندیشیوں) کے خلاف
بَصِيْرَةٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ○ — ایک حجت ہے اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف کتنے ہی عذر ۱۴-۱۵
بہانے تلاش کرلے[۳]

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ — اس دن بہتوں کے منہ تروتازہ ہوں گے جو اپنے ۲۲
اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ — پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اور بہت سے منہ اس ۲۳
يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ○ تَظُنُّ اَنْ — روز برے بن رہے ہوں گے۔ ان کو گمان ہوگا کہ ایسی ۲۴
يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ○ كَلَّآ اِذَا — سختی ان کے ساتھ ہونے والی ہے کہ ان کی کمر توڑ دے گی۔ ۲۵
بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ○ وَقِيْلَ مَنْ سَكْتَہ — خوب سمجھ لو کہ جب ہنسلی تک جان پہنچے گی اور لوگ چلا ۲۶
رَاقٍ ○ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ○ — اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے؟ یقین ہو جائے گا کہ یہ ۲۷-۲۸
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ — مفارقت کا آخری دن ہے۔ اس وقت پنڈلی سے پنڈلی ۲۹
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ○ — لپٹ جائے گی تو یاد رکھو اسی دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف جانا ہوگا۔ ۳۰
اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ — کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ سہل چھوڑ دیا جائے گا اور
اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ اَلَمْ — اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہوگی؟) کیا اس پر یہ ۳۶
يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ○ — حالت نہیں گزر چکی کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا، پھر نطفہ ۳۷
ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ — سے علقہ (جونک کی سی شکل) ہوا۔ پھر علقہ سے (اس کا ڈیل ڈول)
فَسَوّٰى ○ — پیدا کیا گیا پھر (اس ڈیل ڈول کو) ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا[۵] ۳۸

سورۃ الدھر

---

[۱] ترجمان جلد اول ص ۶۸۔

[۲] الہلال ۱۴ ستمبر ۱۹۱۴ء ص ۴ ایک اور مقام پر ترجمہ یوں کیا ہے: بے شک چاند جب کہ نکل آیا، رات جب ختم ہوگئی اور دن جب کہ روشن ہوگیا حادثہ بڑے بڑے انقلابات میں سے ایک بڑا ہی انقلاب ہے اور غافل انسان کو غفلتوں کی پاداش سے سخت ڈرانے والا ہے تم میں سے جو بڑھنا چاہے اس کے لیے اب بڑھنا ہے اور جو پیچھے ہٹنا چاہے اس کے لیے غافل ہو کر تباہ ہونا۔

[۴] "البلاغ" ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۱

[۳] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۶

[۶] الہلال ۲۷ اگست ۱۹۱۳ء ص ۸

[۵] ترجمان جلد اول ص ۵۹۔

۲۰ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

کی راہ میں دشمنانِ اسلام سے لڑتے ہوں گے۔ بہرحال ایسی صورت میں اب یہی حکم ہے کہ شب کو جس قدر قرآن (تہجد کی نماز) بہ آسانی پڑھا جاسکتا ہے پڑھو اور اپنے جسم پر بہت زیادہ بار نہ ڈالو[۱]

سورۂ مزمل کے موضوعِ تنزیل اور آیہ زیرِ بحث کے سباق و سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ سے آیہ نسا کی طرح دعوت اور داعی کی تشبیہ نہیں دی گئی[۲]، بلکہ دعوت و داعی کے انکار اور منکرین کی دی گئی ہے بس یہ تشبیہ آنحضرت اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں نہ ہوئی، منکرِ موسیٰ اور منکرِ محمد صلعم میں ہوئی۔

سورۃ المدّثر

۱-۲ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝

اے چادر اوڑھ کر سونے والے! اٹھ، پھر لوگوں کو

۳-۴ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَ

ڈرا۔ اپنے خدا کی تکبیر کہہ، اپنے کپڑوں کو پاک کر اور بتوں سے

۵ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

دوری اختیار کر[۳]

۹ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝

پس وہی دن ہے کہ بڑی ہی سختی اور مشکل کا دن ہوگا

۱۰ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝

جس میں کسی راہ کسی شکل میں بھی آسانی کی صورت نظر نہ آئیگی[۴]

۳۱ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

اور تمہارا پروردگار (اس کارزارِ ہستی کی کارفرمائیوں کیلئے) جو فوجیں رکھتا ہے، ان کا حال اس کے سوا کون جانتا ہے[۵]

۳۳ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ

پس قسم ہے رات (انتظار) کی جب وہ ختم ہونے لگے اور صبح

۳۴ اِذَاۤ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى

(نتائج) کی جب وہ روشن ہو جائے کہ دنیا کے عظیم الشان

۳۵-۳۶ الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝

واقعات میں سے یہ ایک واقعہ ہے (اور اپنے آنیوالے

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ

نتائج و حوادث سے) انسان کو ڈرانے والا ہے۔ البتہ یہ

۳۷ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝

اقدار و تخویف انہی کیلئے ہے جو تم میں نظرِ عبرت رکھتے ہیں

اور جن کا دماغ فہم و تدبر کے لیے متحرک رہتا ہے یعنی جو تم میں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں، ایک

---

[۱] الہلال ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء ص ۹-۱۰ [۲] آیہ نسا سے یہ مقصود ہے: انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون وسلیمٰن واتینا داؤد زبورا۔ یہاں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے بعد کے انبیاء کا ذکر مجملاً کیا کیونکہ مخاطب اہلِ کتاب تھے اور انہیں زیادہ معلومات حضرت ابراہیم اور بعد کے انبیاء سے تھیں۔ [۳] الہلال ۵ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۰ [۴] الہلال ۱۸ فروری ۱۹۱۴ء ص ۴ [۵] ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۸

۳۔ سموم : گرم ہواؤں کی ایک قسم۔
۴۔ رخازم : ٹھنڈی ہواؤں کی نو قسموں میں سے ایک نہایت سرد قسم۔
۵۔ یہام : نہایت گرم لو کی لپٹ
۶۔ شمال : نہایت ٹھنڈی اور خنک ہوا جسے شام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صبا یمن کی طرف منسوب کی جاتی ہے)
۷۔ نسیم : نہایت ہلکی اور غیر محسوس ہوا۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ	کیا ہم نے طغیان و عصیان کی پاداش میں اگلی قوموں کو	۱۶
نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ	ہلاک نہیں کیا پس اسی طرح ہم پچھلی قوموں کو بھی عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یہ ہمارا	۱۷
بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝	قانون ہے کہ اپنے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں پس اس دن اللہ کی	۱۸-۱۹

سچائی کو جھٹلانے والوں پر افسوس[۱]

سورۃ النبا

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ	یہ لوگ ایک دوسرے سے کس بات کا حال دریافت	۱
الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝	کر رہے ہیں؟ اس بہت بڑے حادثے کا جس کی نسبت یہ	۲-۳
كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝	مختلف طرح کی رائیں رکھتے ہیں؟ تو خیر بہت جلد انھیں	۴-۵
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّ	معلوم ہو جائے گا پھر کہتے ہیں کہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا	۶
الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ	کیا ہم نے زمین کو آرام گاہ اور پہاڑ کو اس کا ستون نہیں	۷
اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝	بنایا؟ کیا ہم نے تم کو جوڑا جوڑا نہیں پیدا کیا اور تمھاری	۸-۹

نیند کو ایک غافل کر دینے والی چیز نہیں بنایا۔[۳]

نیند کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں اس کی جستجو بیکار تھی کہ وہ خوابِ غفلت کا زمانہ تھا دورِ جدید کے بعض علماءِ قدیم کا خیال تھا کہ نیند خون کی اس کثرتِ مقدار کا نتیجہ ہے جس کی رَو لیٹنے سے انسان کے دماغ میں دفعتہً پہنچ جاتی ہے .... تجارب علمیہ اس خیال کی تائید نہیں کرتے . کیمسٹری کے اصول و قواعد نے نیند کی جو حقیقت بتائی ہے وہ یہ ہے کہ: انسان کا جسم درحقیقت ایک ٹرین ہے، جو ہر وقت چلتی رہتی ہے لیکن جب کوئلہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ انجن میں راکھ بھر جاتی ہے تو اسے مجبوراً رک جانا پڑتا ہے۔ یہی حال انسان کے دماغ کا ہے ..... جب ایندھن ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ فضلات جمع ہو جاتے ہیں تو انجن کی طرح وہ بھی دفعتہً رک جاتا ہے اور اسی کو ہم خوابِ شیریں سے تعبیر کرتے ہیں۔

اعصاب دماغیہ اپنے وظائف عملیہ میں ہمیشہ دو جزو کے محتاج ہوتے ہیں: آکسیجن اور کرو ماتوفیل، اس لیے دماغ آکسیجن کا ایک معتدبہ ذخیرہ جمع کرتا رہتا ہے .... کرو ماتوفیل کی کافی مقدار ہمیشہ خلایاتِ عصبیہ میں جمع رہتی ہے اور نیند اس خزانے میں اور اضافہ کر دیتی ہے ... جب انسان سرگرمِ عمل رہتا ہے تو صرف وہ اجزاء فنا نہیں ہوتے جو دماغ کے انجن کا کوئلہ ہیں

---

[۱] الہلال ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱ [۲] الہلال ۱۳ نومبر ۱۹۱۴ء ص ۲ [۳] البلاغ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲

ان تین آیات کا ترجمہ البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۰ پر یوں کیا: کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے ایک فرش کی طرح نہیں بچھا دیا؟ کیا یہ ہماری ہی حکمت و قدرت نہیں کہ پہاڑوں کو بلندی دی اور اس عرصۂ زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دی۔ پھر کیا وہ ہم ہی نہیں جس نے تم کو دو جنسوں میں منقسم کر دیا؟

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ
نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ
۲ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ
۳ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○

ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جسے
(ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں پھر اسے
ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا۔ ہم نے اس
پر راہ عمل کھول دی۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا
ہو یا ناشکرا[1]

یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے یا ان سے کام نہ لے اور گمراہ
ہو جائے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ
۸ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
۹ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○

اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں اور یتیموں اور
قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے سوا
کچھ نہیں کہ محض اللہ کے لیے ہے۔ ہم تم سے نہ تو بدلہ چاہتے
ہیں، نہ کسی طرح کی شکر گزاری[2]

سورة المرسلات

۱ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ○
۲-۳ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ○ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ○
۴ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ○ فَالْمُلْقِيٰتِ
۵-۶ ذِكْرًا ○ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ○ اِنَّمَا
۷ تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ○

قسم ہے ان ہواؤں کی جو ابتدا میں معمولی رفتار
سے چلائی جاتی ہیں۔ پھر یکایک زور پکڑ کے تیز ہو جاتی ہیں۔
پھر بادلوں کو چاروں طرف پھیلا دیتی ہیں۔ پھر انھیں پھاڑ
کر ایک دوسرے سے الگ کر دیتی ہیں۔ پھر قسم ہے ان کی
اس لیے کہ وہ اپنی ان عجیب و غریب مختلف حالتوں سے
انسان کے دل میں قدرتِ الٰہی کا خیال پیدا کر دیتی ہیں[3]

عربی زبان میں جس کثرت سے ہوا کی مختلف قسموں اور حالتوں کے لیے اسما و صفات ہیں شاید ہی کسی زبان میں ہوں اور
صرف ہوا پر موقوف نہیں، اس کی وسعت کی مثال کے لیے ہر شے پیش کی جا سکتی ہے۔ سورۂ مرسلات و ذاریات وغیرہ میں مرسلات
عاصفات، ناشرات، ذاریات۔ معصرات، صرصر وغیرہ جس قدر الفاظ آتے ہیں۔ مختلف ہواؤں کے نام ہیں، جو عرب جاہلیت
نے اپنی میدانی اور صحرائی زندگی میں رکھ لیے تھے۔

عربی میں اصل قسمیں جو بمنزلہ امہات ریاح سمجھی جاتی ہیں چار ہیں: شمال، جنوب، صبا، دبور۔ پھر ان چار قسموں کی بہت
سی قسمیں قرار دیں (بعض کی کیفیت یہ ہے)

۱۔ صبا: ہوا کی معتدل و مفرح، آہستہ خرام، کشت پرور لیکن ابر و باراں کے ساتھ آنے والی اقسام مجرا ہیں سے ہے۔

۲ جنوب: اس سے مخالف ہے۔

---

[1] ترجمان جلد اول ص ۱۷۹

[2] ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء ص ۳

[3] ایضاً ص ۱۔ نیز آیت ۹ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ البلاغ ۱۰، ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء ص ۲

مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○
ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ○
اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ
شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا
فِيْهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّ
زَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّ
فَاكِهَةً وَّاَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○

پھر اس کی تمام باطنی وظاہری قوتوں کے لیے ایک اندازہ ۱۹
ٹھہرا دیا۔ پھر اس پر (زندگی وعمل کی) راہ آسان کردی [1] ۲۰
انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے۔ (جو شب وروز اس کے ۲۴
استعمال میں آتی رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ۲۵
ہیں۔ پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ۲۶
کردیتے ہیں۔ اناج کے دانے اور انگور کی بیلیں اور ۲۷-۲۸
سبزی ترکاری اور زیتون کا پھل اور کھجور کے خوشے اور ۲۹-۳۰
درختوں کے جھنڈ اور قسم قسم کے میوے اور طرح طرح ۳۱-۳۲
کا چارہ (اور یہ سب کچھ کس لیے ہے؟) تمھارے فائدے کے لیے اور تمھارے جانوروں کے لیے [2]

سورۃ الانفطار

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ
بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ○ الَّذِيْ خَلَقَكَ
فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ○ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ
مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ○ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ○ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○
يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ اِنَّ الْاَبْرَارَ
لَفِيْ نَعِيْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ
جَحِيْمٍ ۚ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ○
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ○ وَ
مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ ثُمَّ
مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○
يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ

اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے
اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے [3] ۶
وہ پروردگار جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک ۷
درست کردیا۔ پھر (تمھارے ظاہری وباطنی قویٰ میں) ۸
اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا۔ پھر جیسی صورت بنانی ۹
چاہی، اسی کے مطابق ترکیب دے دی [4] نہیں اصل ۱۰-۱۱
یہ ہے کہ تمھیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں، حالانکہ ۱۲
اس کی طرف سے تم پر ایسے زبردست نگران کار متعین ہیں ۱۳
جو تمھارے اعمال کا ہر آن کا احتساب کرتے رہتے ہیں ۱۴-۱۵
اور تمھارا کوئی بھی فعل ان کی نظروں سے مخفی نہیں (یاد ۱۶
رکھو ہم نے کامیابی و ناکامی کی ایک تقسیم کردی ہے) ۱۷
خدا کے اطاعت گزار بندے عزت ومراد اور فتح وکامرانی ۱۸
کے عیش ونشاط میں رہیں گے اور بدکار و نافرمان خدا کی

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۶ - [2] ایضاً ایضاً ص ۵۳
[3] الہلال یکم جولائی ۱۹۱۳ء ص ۶ نیز الہلال ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء [4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۸

بلکہ جس قدر فنا ہوتے ہیں اسی نسبت سے اس میں فضلات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

تجربے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نیند کا سبب خون یا فضلات ردیہ نہیں بلکہ وہ سیال مادہ ہے، جو مبداء اعصاب کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے، لیکن اس مادے کی حقیقت کیا ہے؟ فطرت نے ابھی تک یہ راز اپنے خزانے میں محفوظ رکھا ہے خدا اور تمام فطری چیزوں کے ساتھ آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنا ایک احسان یہ جتایا تھا اب تحقیق جدید کا متحرک قدم بھی اس نقطے پر پہنچ کر رک گیا ہے۔ جہاں سے پرکار کی حرکت اولی شروع ہوئی تھی چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ نیند بالکل فطری چیز ہے۔

١٧ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ○ بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ وہ دن جبکہ آخری

١٨ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ○ نتائج کے ظہور کا صور پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج ہر طرف سے آ جمع ہو گے[1]

سُورَةُ النّٰزِعٰت

٦ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ وہ ہولناک دن جب کہ زمین کانپ اٹھے گی جب

٧ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ○ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ ایک بھونچال کے بعد دوسرا بھونچال آئے گا۔ جب

٨-٩ وَّاجِفَةٌ ○ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ○ انسان کے دل دھڑک اٹھیں گے اور جب اٹھی ہوئی

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي نظریں جھک جائیں گی اور کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں اس

١٠-١١ الْحَافِرَةِ ○ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ○ قدر ترقی کر کے اور آگے بڑھ کے) پھر وحشت و خرابی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب گل سڑ کر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (یقین کرو ایسا ہی ہونے والا ہے[2]

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ اے موسیٰ! فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ نہایت ظالم

١٧ طَغٰى ○ و سرکش ہو گیا ہے (یعنی خدا کے بندوں پر نہایت ظلم کرتا ہے[3])

---

٣٧ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ○ وَاٰثَرَ پس جو شخص سرکش ہوا اور دنیوی زندگی کو آخرت

٣٨ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ پر ترجیح دی۔ تو اس کا ٹھکانا صرف جہنم ہے۔ لیکن جو

٣٩ هِيَ الْمَاْوٰى ○ وَاَمَّا مَنْ خَافَ شخص خدا سے ڈرا اور اپنے دل کو ان نفسانی خواہشوں

مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ سے روکا جو ظلم و تمرد اور طغیان و فساد کی طرف لے جاتی ہیں

٤٠-٤١ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ تو اس کا ٹھکانا جنت ہے[4]

سورہ عبس

١٨ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا

---

۱ الہلال ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ص ۴

۲ حوالہ محفوظ نہیں رہا۔

۳ البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۲

۴ البلاغ ۱۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰

تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ہاں کا اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ منکروں نے اپنے اعمال کا بدلہ پا لیا[1]

سورۃ الانشقاق

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ	پس شفق کی قسم جب کہ اس کی سرخی نے زمین کے	۱۶
وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝	عہد جو نیں کی خبر دی اور رات کی قسم جب کہ وہ تاریک ہوئی	۱۷-۱۸
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝	اور ان سب کی جن کو اس کی تاریکی نے چھپا لیا۔ پھر چاند	۱۹

جب کہ اس کی روشنی پوری ہوئی کہ تم سب ایک امر مقدر کے ماتحت ہو ضرور ہے کہ انقلاب لیل و نہار کے ان مراتب ثلاثہ کی طرح تم بھی یکے بعد دیگرے منازل تغیر و تبدل سے گزرو[2]

سورۃ الطّارق

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ	بیشک یہ قرآن ایک قول فیصل ہے تمام	۱۳
بِالْهَزْلِ ۝ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝	اختلافات و اعمال کے لیے۔ وہ کوئی بے معنی اور فضول بات	۱۴-۱۵
وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ	نہیں۔ یہ لوگ اپنا داؤ کر رہے تھے اور ہم اپنا داؤ کھیل رہے	۱۶
اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝	ہیں۔ پس منکروں کو مہلت لینے دو، زیادہ نہیں تھوڑی سی[3]	۱۷

سورۃ الاعلیٰ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ	(پاک بیان کر اپنے رب کی جو سب سے اوپر ہے (وہ پروردگار	
الْاَعْلَى ۝ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝	عالم جس نے پیدا کیا۔ پھر اسے ٹھیک ٹھیک کر دیا اور جس	۱-۲
وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝	نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا پھر اس پر راہ عمل کھول دی[4]	۳

یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت حواس و عقل ہے۔

سورۃ الفجر

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝	ان چیزوں میں صاحب عقل کے لیے بڑی ہی شہادت ہے[5]	۵
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝	کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے پروردگار نے عاد ارم	۶
اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ	کے ساتھ کیا سلوک کیا جو ایسے قوی اور متمدن تھے کہ دنیا	۷
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ	میں ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی تھی اور قوم ثمود جنھوں نے اپنے	۸
جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَ	رہنے کے لیے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے تھے، اور	۹

---

[1] الہلال ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء

[2] الہلال ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء ص ۱۷

[3] الہلال ۲۶ اگست ۱۹۱۴ء ص ۱۱ نیز الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۶

[4] ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۶۴ نیز ملاحظہ ہو ص ۸۴، ص ۸۷

[5] البلاغ ۲۵ فروری ۱۹۱۶ء ص

۱۹ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ بادشاہی کے دن نامرادی اور ہلاکت کے عذاب میں مبتلا
ہوں گے جس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ یہ خدا کی بادشاہی کا دن ہے تم کیا جانتے ہو کہ خدا کی بادشاہی کا اعلان
کیا ہے؟ وہ دن جس میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہ کر سکے گا اور اس دن صرف خدا ہی کی حکومت ہوگی۔[1]

سورۃ المطففین

۱ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ — لین دین میں کمی کرنے والوں کے لیے کیا ہی تباہی

۲ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ — و ہلاکت ہے۔ جب وہ دوسروں سے لیتے ہیں تو وزن میں

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ — ٹھیک ٹھیک لیتے ہیں پر دوسروں کو دینے کا وقت آتا ہے

۳ يُخْسِرُوْنَ ۝ — تو گھٹا گھٹا کر اور بچا بچا کر دیتے ہیں۔[2]

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ — قرآن کی تکذیب وہی کرتے ہیں جو ظالم اور گنہگار

۱۲ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ — ہیں۔ انھیں جب ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

۱۳ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ — تو کہتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔[3]

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ — بیشک نیک عمل لوگوں کے اعمال اعلیٰ درجے کے

۱۸-۱۹ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ — لوگوں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ

۲۰-۲۱ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ — فہرست کیا چیز ہے؟ وہ ایک کتاب اعمال ہے جو ہمیشہ لکھی

۲۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ — جاتی ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی اس کے شاہد و گواہ ہیں۔

۲۳ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ — یقیناً ان نیک عمل لوگوں کی زندگی نہایت آرام اور راحت

۲۴ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ — میں ہوگی۔ وہ سکون و طمانیت کے تخت پر بیٹھے ہوئے بہشت

۲۵ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ — کی سیر کر رہے ہوں گے۔ اگر تم انھیں دیکھو تو خوشحالی کی

۲۶ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ — تازگی ان کے چہروں سے نمایاں ہوگی انھیں حیات سرمدی کی
وہ شراب خالص پلائی جائے گی جس کی بوتلیں سربمہر ہوں گی اور ان پر مشک کی مہریں لگی ہوں گی۔ بس یہ زندگی
ہے کہ تقلید کرنے والوں کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔[4]

۳۴ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ — پس آج کا دن، وہ دن ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر

۳۵ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ — ہنستے ہیں اور امن و راحت کے تختوں پر بیٹھے ہوئے

۳۶ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

۱؎ یکم جولائی ۱۹۱۴ء

۲؎ الہلال ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۱۴ نیز الہلال ۱۱ جون ۱۹۱۳ء، الہلال ۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء

۳؎ الہلال ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء ص ۱۱

۴؎ الہلال ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء ص ۶

وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝

دی ہیں؟ (جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور ہونٹ نہیں ۹
دیے ہیں؟ (جو گویائی کا ذریعہ ہیں) اور کیا ہم نے اسے (سعادت ۱۰
وشقاوت کی) دونوں راہیں نہیں دکھا دیں؟[1] (پس وہ نہ دھمک ۱۱-۱۲
سکا گھاٹی (عقبہ) پر) تم سمجھے کہ ہم نے جو یہاں عقبہ کا لفظ کہا ۱۳
ہے سو اس سے کیا مقصود ہے؟ عقبہ سے مراد یہ ہے ۱۴-۱۵
کہ انسان کی گردن کو غلامی کے پھندے سے چھڑا دینا، ۱۶
بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیم کی (علی الخصوص) جب کہ وہ
اپنے قریبی لوگوں میں سے ہو اور محتاج و مسکین کی مدد ۱۷
کرنا۔ پس جو انسان اپنی بڑائی کا مدعی تھا، اسے چاہیئے تھا ۱۸
کہ اس آزمائشی گھاٹی کی منزل سے گزرتا۔ اِس کے علاوہ ۱۹-۲۰
اس جماعت کے لوگوں میں سے ہوتا جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر، برداشت کی اور مرحمت کی وصیّت کرتے ہیں۔ یہی لوگ "اصحاب المیمنۃ" ہیں مگر جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو، ہماری تعلیمات کو، ہمارے احکام کو اور ہماری بھیجی ہوئی ہدایت کو قول سے اور عمل سے جھٹلایا تو وہ لوگ "اصحاب المشئمۃ" ہیں[2] (انہی کو آگ میں موند دیا ہے)

سورہ الشمس

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

سورج اور اس کی حرارت و نورانیت اور چاند جو اس ۱
کے بعد ضیا گستر ہوتا ہے، روز روشن جو رات کی تاریکی ۲-۳
کا پردہ چاک کر دیتا ہے، رات کی ظلمت جو دن کی روشنی ۴
کو چھپا لیتی ہے آسمان کی اور اس کی عجیب و غریب بناوٹ، ۵-۶
زمین اور اس کا حیرت انگیز پھیلاؤ، پھر مادۂ عالم کے ان تمام ۷
مظاہر و شیون کے بعد روح انسانی اور اس کا وہ قادر مطلق ۸
جس نے اس پر ایسی مناسب، موزوں، مستقیم اور عادلہ فطرت ۹
صالحہ رکھی۔ بالآخر خیر و شر، حق و باطل، صحت و سقم، ۱۰

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۷۹، نیز الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء ص ۷ اور البلاغ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۶

[2] الہلال ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۶۔

۱۰ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِیْنَ — فرعون جو اپنی شان و شوکت خسروی کے لیے خیمہ و خرگاہ

۱۱ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝ فَاَکْثَرُوْا فِیْهَا — رکھتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے انسانی آبادیوں میں

۱۲-۱۳ الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ — فتنہ و ظلم کا بڑا سر اٹھایا تھا اور عدل و اصلاح کی جگہ ان

میں فساد پھیلا رکھا تھا۔ پس قانونِ الٰہی نے اپنے تازیانۂ عذاب کو حرکت دی اور ان سب کو نابود کر دیا۔[1]

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا — انسان کا حال تو یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اس

ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ — کے ایمان کو اس طرح آزماتا ہے کہ اسے دنیا میں عزت

۱۵ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ ۝ — اور نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتا ہے اور

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ — کہتا ہے کہ میرا پروردگار میرا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور

فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ — جب اس کے ایمان کو کسی آزمائش میں ڈال کر اس طرح

۱۶ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ۝ — آزماتا ہے کہ رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے (یعنی مصیبت میں ڈال دیتا ہے) تو معاً مایوس ہو کر کہنے لگتا ہے کہ میرا پروردگار تو مجھے ذلیل کر رہا ہے اور میرا کچھ خیال نہیں کرتا۔[2]

انسان کی خلقت میں جلدبازی اور تعجیل کار ہے جب کبھی وہ اپنی کسی توقع میں ناکامی دیکھتا ہے تو فوراً مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ پھر جب کامیابی کی خبر سن لیتا ہے تو امید و مسرت کے ضبط سے عاجز ہو کر اچھل پڑتا ہے حالانکہ نہ تو اسے ان اسباب کی خبر ہے جو نامرادی کے پیچھے ظاہر ہونے والے ہیں اور نہ ان نتائج و عواقب کی خبر ہے جو بشارت امید کے بعد پیش آنے والے ہیں۔ اس کی خدا پرستی بھی اس جلدبازانہ یاس و وہم سے شکست کھا جاتی ہے اگر کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو سمجھتا ہے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور اگر مشیت الٰہی نے ابتلاء و مصیبت میں ڈال دی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا۔

سورۃ البلد

۱ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ — اے پیغمبر! ہم شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس لیے کہ

۲ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ — تم اس میں مقیم ہو اور قسم ہے جننے کی اور جو اس نے جنا ہے

۳ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ — ہم نے انسان کو اس طرح بنایا کہ اس کی زندگی مشقتوں سے

۴ کَبَدٍ ۝ — گھری ہوئی ہے۔[3]

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ — کیا ہم نے اسے ایک ایک چھوڑ دو دو آنکھیں نہیں

---

[1] البلاغ ۱۴ جنوری ۱۹۱۶ء ص ۱۰ [2] الہلال ۱۶ اپریل ۱۹۱۳ء ص ۹

[3] ترجمان القرآن جلد اول ۷۹۔ اس سلسلے کے ابتدائی ٹکڑے کا حوالہ اس وقت نہیں مل سکا

سورۃ الم نشرح

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ — اور ہم نے تیرے ذکر کو رفعت اور بقائے دوام عطا فرمائی[1] ۴

سورۃ التین

۲

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝ وَطُورِ — انجیر اور زیتون اور طور سینا اور مکہ معظمہ شاہد ہیں کہ

سِينِينَ ۝ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ — بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین حالت عدل پر پیدا ۲۔۳

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ — کیا۔ پھر اسے بد سے بدتر حالت میں پھینک دیا مگر

تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ — وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان ۴

سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ — کے اعمال کے نتائج صرف بہتری کے لیے ہیں۔ ۵

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ — ان کے عمل صالحہ کا بدلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا ہمیشہ چل

مَمْنُونٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ — رہے گا۔ پس اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد کون ہے جو ۶

بِالدِّينِ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ — اعمال کے نتائج سے انکار کرے گا اور اس بارے میں رسول ۷

الْحَاكِمِينَ ۝ — کی تعلیم کو جھٹلائے گا؟ کیا سب سے بڑا حکم کرنے والا خدا ہی ۸

نہیں جس کے قانون جزا و سزا میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟[2]

قرآن کریم کی ہر سورت کا ایک موضوع ہے اور وہ سورت اول سے آخر تک اسی پر مبنی ہے۔ سورۃ "تین" کا موضوع انسانی فطرت کی اصلیت ہے۔ اس بارے میں پہلے تین مذہب تھے:

۱۔ انسان کی اصلی جبلت و فطرت بدی ہے، لیکن باہر کی فطرت اسے عارضی طور پر خوشنما کر دیتی ہے یہ "مذہب شر" یا مذہب یاس ہے۔ یونان میں دیو جانس کلبی اسی فلسفہ اخلاق کا پیشوا گزرا ہے۔

۲۔ دوسرا مذہب ان لوگوں کا ہے جو انسان کی فطرت کو بالکل ایک سادہ حالت میں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ نیکی ہے نہ بدی۔ وہ محض ایک منفعل، اثر پذیر اور نقش انگیز وجود ہے۔ جو کچھ اس پر بنایا جائے گا بن جائے گا۔

۳۔ تیسرا مذہب جامع "خیر و شر" کا ہے یعنی نیکی اور بدی (دونوں) انسان کی فطرت میں موجود ہیں۔ ارسطو کا بھی یہی مذہب تھا۔

قرآن مجید انسان کی فطرت کو خالص نیکی قرار دیتا ہے یہی فطرت صالحہ "قلب سلیم" اور فطرت اسلام ہے۔ سورۃ تین نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور اس پر شہادت پیش کی ہے۔ بیان بمنزلہ دعوے کے ہے اور شہادت اس کی دلیل ہے۔ حضرت نوحؑ کے بعد دین الٰہی کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اور ظہور اسلام اسی کا آخری مکمل ظہور ہے (اسی سلسلے کی تین دعوتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔)

۱۔ دین الٰہی کی وہ بنیاد جو بیابان حجاز میں حضرت ابراہیم علیہما السلام نے ڈالی۔

۲۔ دعوت موسوی جس کی روشنی طور سینا پر چمکی۔

۳۔ دعوت مسیحی کا ظہور جو سلسلہ اسرائیلی کا آخری ظہور تھا۔

پس سورۃ والتین میں سعادت انسانی کے ان تین ظہوروں سے انسان کی فطرت صالحہ اور عظمت و شرف پر شہادت لائی

---

[1] الہلال ۵۔ اگست ۱۹۱۴ء

[2] البلاغ ۳ ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء ص ۱۵

عدل و اسراف، نور و ظلمت دونوں راہوں کو اس پر کھول دیا۔ پس اب کامیاب وجود وہ ہے جس نے اپنی قوت مکتسبہ کے عمل سے اپنی فطرت صالحہ کو بالکل پاک اور بے آمیزش رکھا اور نامراد انسان وہ ہے جس نے اسے ضائع کر دیا؛[1]

دنیا کا نظام فطرت تین جزوں سے مکمل ہوتا ہے: مادہ، قوت اور ان دونوں سے بالاتر ایک ذی شعور طاقت، جو ان دونوں میں ربط و اتحاد پیدا کرتی ہے اور وہ فطرت صالحہ وسلیمہ ہے جو اصلاً خود انسان کے اندر موجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے نظام عالم کی ان تین کڑیوں کا ذکر بہ ترتیب اس سورہ میں کیا ہے۔

قرآنِ حکیم نے آخرت کے وجود کا اذعان جن جن دلائل سے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے وہ کہتا ہے دنیا ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا شئی ضرور رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل وشئی زندگی ہو۔ دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے چنانچہ بعض سورتوں میں انھیں متقابل مظاہر سے استشہاد کیا ہے مثلاً سورہ شمس میں فرمایا، والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها والنهار اذا جلّٰها، واللیل اذا یغشٰها والسماء وما بنٰها والارض وما طحٰها۔[2]

سورۃ اللیل

١ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا — رات کی قسم جب کہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام

٢ تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ — اشیا کو چھپا دیتی ہے اور روز روشن کی قسم جب کہ آفتاب

٣ وَالْاُنْثٰٓى ۙ — کی تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے اور دراصل اس لائق

کی قسم جس نے تخلیق عالم کے لیے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا[3]

١٢ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۙ وَاِنَّ — بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں اور یقیناً آخرت

١٣ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۙ — اور دنیا دونوں ہمارے ہی لیے ہیں[4]

قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، انھیں براہِ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے مثلاً اس کا ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ سے کام لینے کی جگہ اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔ قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کی دلوں پر مہر لگا دی، یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے[5]

سورۃ الضحٰی

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۙ — اے پیغمبر! ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو تو ہم نے خود ہی تمھیں اپنی راہ دکھلا دی[6]

---

[1] "البلاغ" ٢٦ نومبر ١٩١٥ء، ١ نمبر ٢۔ جولائی ١٩١٣ء ص ٦ - ٥ اگست ١٩١٤ء کے الہلال میں قد افلح من الخ کا ترجمہ یوں کیا: وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اپنی خیر کو برباد کیا [2] ترجمان جلد اول ص ٨٢ حاشیہ

[3] الہلال ٦ نومبر ١٩١٢ء ص ٢٩ [4] ترجمان القرآن ص ٧٩،

[5] ترجمان القرآن جلد دوم ص ٣٤٤۔ [6] الہلال ٢۔ نومبر ١٩١٣ء

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ نظر آگیا۔[1] (کوئی نہیں، آگے جان لوگے، پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لوگے)[2] ۴

سورة العصر

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ قسم ہے اس عصر انقلاب اور دور تغیرات کی جو پچھلے ۱
خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دور کو ختم کرتا اور نئے دور کی بنیاد رکھتا ہے کہ نوع انسانی ۲
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ کے لیے دنیا میں نقصان و ہلاکت کے سوا کچھ نہیں، مگر ہاں
تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۵ وَ وہ نفوس قدسیہ جو قوانین الٰہیہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ
تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ اختیار کیے، ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۳
کے ذریعے سے دین حق کی وصیت کرتے رہے، نیز صبر و استقامت کی بھی انھوں نے تعلیم دی۔[3]

اسلام ایک کمل مذہب کے تمام اجزاء کا مجموعہ ہے اس لیے اس نے عقائد و عبادات کے سلسلے میں اخلاق کو بھی نمایاں جگہ دی، لیکن خاص طور پر جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی وہ تمام تر فوجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نے صبر و توکل اور عزم و استقلال کی ہر موقع پر تعلیم دی اور یہی چیزیں ہیں، جن کے ذریعے سے کوئی فوج میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتی ہے۔ اسلام دنیا میں حق و صداقت کی اشاعت کے لیے آیا۔ حق و صداقت کا میدان صرف جہاد کے ذریعے سے فتح ہو سکتا تھا۔ صبر جہاد کی حقیقت کے لیے اصل شرط ہے۔

پس اس نے (اسلام نے) ہمیشہ حق و صبر کو لازم و ملزوم قرار دیا۔[4]

قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں جس قدر یہ کہ خوف اور غم دونوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی شقاوت کی ساری سرگزشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے یعنی خوف اور دکھ۔ جونہی ان دو باتوں سے رہائی مل گئی، ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آگئیں۔ قرآن نے حقیقت دوسرے پیرائے میں بھی بیان کی۔ مثلاً سورۂ ... اسی حقیقت کا اعلان ہے[5]

سورة الفيل

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے پروردگار
بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا، ہاتھیوں کا ایک ۱
يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ غول لیکر مکہ پر حملہ آور ہوا تھا؟ خدا نے ان کے تمام ولولے غلط
تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ نہیں کر دیے اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں ۲
طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ کیے؟ جنھوں نے انھیں سخت بربادی میں مبتلا کر دیا، جوان ۳

---

[1] البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴ - [2] ترجمہ شیخ الہند۔
[3] الہلال ۲ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۱۱ - البلاغ ۱۱ فروری ۱۹۱۶ء میں ترجمہ یوں کیا ہے: زمانہ اور اس کے حوادث و نتائج شاہد ہیں کہ انسان کی قوتیں اور انسانوں کے تمام اعمال بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں رہتے ہیں؛ در صرف وہی انسان کامیاب ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے اندر یقین پیدا کیا اور اپنے عمل کو صالح رکھا۔ نیز باہم حق کی وصیت کی اور صبر کی طرف ایک دوسرے کو بلایا۔
[4] البلاغ ۱۱ فروری ص ۱۳-۱۴ [5] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۸۲ —

گئی ہے "تین" اور "زیتون" سے مقصود سرزمین شام ہے جہاں حضرت عیسٰی کا ظہور ہوا۔ طور سینین" سے اشارہ دعوت موسوی کی طرف ہے اور بلد امین" میں اشارہ دعوت موسٰی ابراہیم اور اس کے نتائج کی طرف ہے۔
تقویم "ٹھیک ٹھیک" بہ معنی تعدیل تک ہے[2]

سورۃ القدر

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ — ہم نے اسلام کو بہ صورت قرآن لیلۃ القدر میں نازل
۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ — کیا اور تم جانتے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی
۳ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ — رات ہے، جو ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے
تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا — اس رات ملائکہ اور روح کا نزول ہوتا ہے
۴ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ — جو اپنے پروردگار کے حکم سے (نظم روحانی کے)
سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ — تمام امور انجام دینے کے لیے آتے ہیں۔ وہ
۵ الْفَجْرِ ۝ — رات امن اور سلامتی کی رات ہے طلوع صبح تک[3]

سورۃ البیّنۃ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا — بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح
۷ الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ — کیے سو وہ دنیا کی بہترین ہستی ہیں[4]

سورۃ العٰدیات

۱ وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُورِيَاتِ — قسم ہے مجاہدوں کے ان گھوڑوں کی جو میدان جہاد
۳،۲ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝ — میں دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں۔ پھر پتھروں
۵۔۴ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝ — پر اپنی ٹاپوں کے مارنے سے چنگاریاں نکالتے ہیں۔ پھر
صبح کے وقت دشمنوں پر چھاپے مارتے ہیں۔ اپنی تیز گامی سے غبار بلند کرتے ہیں اور دشمنوں کی صفوں میں در آتے ہیں[5]

سورۃ التکاثر

۱ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ — کثرت لذائذ و فوائد دنیوی کی غفلت نے تمھیں
۳،۲ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ — بیدار ہونے نہ دیا، یہاں تک کہ قبروں کا چہرہ تمھیں

---

[1] مولانا نے سورۂ تین" کی مفصل تفسیر البلاغ کے دو نمبروں میں لکھی تھی (۲۵ فروری ۱۹۱۶ء اور ۳، ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء) میں نے اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے جس میں کوئی ضروری نکتہ نہیں چھوڑا
[2] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا ترجمہ آپ کو الہلال ۹ مئی ۱۹۱۳ء ص ۱۱ پر بھی ملے گا۔ "البلاغ" ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۷ پر ایل ہے "ہم نے انسان کو ایک بہترین فطرت عادلہ و مقومہ کے قالب میں پیدا کیا ہے۔
[3] یہ سورت یٰس کے مختلف ٹکڑے متعدد مقالات پر آئے ہیں مثلاً الہلال ۱۰، ۲۷ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۶۔ ۵ اگست، ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء ص ۷،
[4] البلاغ ۱۰ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۱
[5] الہلال ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۲
[6] البلاغ ۱۱۔ فروری ۱۹۱۶ء ص ۱۴

فہرست سورۃ قرآنی

نام سورۃ	نمبر صفحات	نام سورۃ	نمبر صفحات
سورۃ نور	۱	سورۃ جاثیۃ	۶۲
سورۃ فرقان	۴	سورۃ احقاف	۶۳
سورۃ شعراء	۷	سورۃ محمد	۶۴
سورۃ نمل	۹	سورۃ فتح	۶۶
سورۃ قصص	۱۲	سورۃ حجرات	۶۸
سورۃ عنکبوت	۱۹	سورۃ قٓ	۷۰
سورۃ روم	۲۴	سورۃ الذاریات	۷۱
سورۃ لقمٰن	۳۰	سورۃ طور	۷۱
سورۃ سجدۃ	۳۲	سورۃ نجم	۷۲
سورۃ احزاب	۳۴	سورۃ القمر	۷۳
سورۃ فاطر	۳۷	سورۃ الرحمٰن	۷۳
سورۃ یٰس	۴۱	سورۃ الواقعہ	۷۴
سورۃ صٰفّٰت	۴۴	سورۃ حدید	۷۷
سورۃ صٓ	۴۶	سورۃ مجادلۃ	۷۸
سورۃ زمر	۴۷	سورۃ الحشر	۸۰
سورۃ مؤمن	۵۱	سورۃ الممتحنۃ	۸۲
سورۃ حٰمٓ سجدۃ	۵۲	سورۃ الصف	۸۳
سورۃ شوریٰ	۵۶	سورۃ جمعۃ	۸۴
سورۃ زخرف	۵۹	سورۃ المنافقون	۸۵
سورۃ الدخان	۶۱	سورۃ التغابن	۸۶

۴ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ — کے لیے لکھ دی گئی تھی، یہاں تک کہ پامال شدہ کھیت
۵ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ — کی طرح تباہ ہو گئے [1]

سورۃ النصر

۱ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ — جب کہ خدا کی نصرت آپہنچی اور حق و صداقت کو
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ — فتح ہوئی اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین الٰہی
۲ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ — میں لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اب پروردگار
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ — کی حمد و ثنا کرو اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو۔ یقیناً وہ بڑا
۳ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ — توبہ قبول کرنے والا ہے۔[2]

سورۃ الاخلاص

۱ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ — اللہ کی ذات یگانہ ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں۔
۳-۲ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ — نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔
۴ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ — نہ کوئی ہستی اس کے درجے اور برابر کی ہوئی [3]

---

[1] الہلال ۲۰ نومبر ۱۹۱۳ء ص ۶۔
[2] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۵۶۔
[3] الہلال ۸ جنوری ۱۹۱۳ء، ص ۴۔

نام سورۃ	نمبر صفحات	نام سورۃ	نمبر صفحات
سورۃ الطلاق	۸۶	سورۃ الانشقاق	۱۰۳
سورۃ التحریم	۸۷	سورۃ الطارق	۱۰۳
سورۃ ملک	۸۸	سورۃ الاعلیٰ	۱۰۳
سورۃ قلم	۸۹	سورۃ الفجر	۱۰۳
سورۃ الحاقۃ	۹۲	سورۃ البلد	۱۰۴
سورۃ المعارج	۹۳	سورۃ الشمس	۱۰۵
سورۃ نوح	۹۳	سورۃ الّیل	۱۰۶
سورۃ الجن	۹۴	سورۃ الضحیٰ	۱۰۶
سورۃ المزمل	۹۴	سورۃ الم نشرح	۱۰۷
سورۃ المدثر	۹۶	سورۃ التین	۱۰۷
سورۃ القیامۃ	۹۶	سورۃ القدر	۱۰۸
سورۃ الدھر	۹۷	سورۃ البیّنۃ	۱۰۸
سورۃ المرسلات	۹۸	سورۃ العادیات	۱۰۸
سورۃ النباء	۹۹	سورۃ التکاثر	۱۰۸
سورۃ النازعات	۱۰۰	سورۃ العصر	۱۰۹
سورۃ عبس	۱۰۰	سورۃ الفیل	۱۰۹
سورۃ الانفطار	۱۰۱	سورۃ النصر	۱۱۰
سورۃ المطففین	۱۰۲	سورۃ الاخلاص	۱۱۰

(مجبور آفسٹ پریس دہلی)

باقیات

ترجمان القرآن

یعنی

تیسری جلد کی مختلف آیات و سُور کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح

جو

تمام تر مولانا ابُوالکلام مرحوم و مغفور

کی

تحریرات و تصریحات پر مُشتمل ہے

مُرتّبہ

غُلام رسُول مہر

اشاعت الکتاب - دہلی